قدرت اللہ شہاب

شہاب نامہ

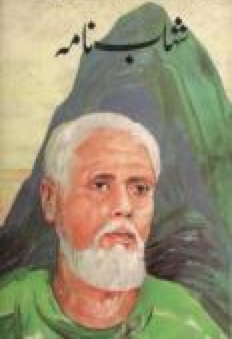

چھوٹا منہ بڑی بات

دین کے بارے میں میرا علم کم اور عمل کمتر ہے۔ اس لیے اس موضوع پر میں نہ تو کوئی نئی یا انوکھی بات لکھنے کی اہلیت رکھتا ہوں اور نہ ہی ایسی جسارت کر سکتا ہوں۔ یہاں پر میں فقط اپنے چند ذاتی تجربات کی روشنی میں اپنے احساسات اور تاثرات بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔

دین اسلام کے ساتھ میری ذہنی اور جذباتی وابستگی چند خوش نصیبیوں کا نتیجہ ہے۔ میری پہلی خوش قسمتی تو یہ تھی کہ میں ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا۔ دوسری خوش قسمتی یہ ہے کہ اکبر اسلامیہ ہائی سکول جموں کی تیسری جماعت میں ہمارے دینیات کے مولوی صاحب نے ہمیں ایک ایسی نصیحت کی جو آج تک میرے دل و دماغ پر پتھر پر لکیر کی طرح ثبت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ بچو! قرآن شریف جب پڑھو سمجھ کر پڑھو۔ جو بات سمجھ میں آئے اسے حرف بہ حرف، لفظ بہ لفظ، حقیقی معنی میں سچ سمجھو۔ اس میں استعاری، تشبیہی یا مجازی معانی ہرگز تلاش نہ کرو۔ جو بات سمجھ میں نہ آئے اسے ایسے ہی پڑھ کر آگے بڑھ جاؤ۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ قرآن حکیم کا یہ اعجاز ہے کہ بار بار پڑھنے سے اس کے معانی قاری کی استعداد کے مطابق رفتہ رفتہ خود بخود منکشف ہوتے رہتے ہیں۔ بڑے ہو کر تفسیروں سے بھی ضرور استفادہ کرو۔ لیکن خود بخود قرآن کریم کی تلاوت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا براہ راست ناطہ ضرور قائم رکھو۔

دینیات کے مولوی صاحب کی اس نصیحت پر میں نے حتی المقدور عمل کرنے کی کوشش

کی ہے۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ پورے کا پورا قرآن میری سمجھ میں آگیا ہے لیکن یہ بات ضرور ہے کہ پچھلے ساٹھ سال کی قرآن حکیم کی تلاوت کے حوالے سے میری شعوری زندگی میں ہر برس ہی کے معانی میں کچھ نہ کچھ وسعت اور گہرائی ضرور پیدا ہوتی رہی ہے۔ ماہتاب کی طرح جس کی کرنیں بادلوں کی اوٹ سے چھن چھن کر لحظہ بہ لحظہ رات کی ظلمت میں اپنا نور پھیلاتی اور بڑھاتی رہتی ہیں۔

مولوی صاحب کی ہدایت کا دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ قرآن کریم میں بیان کردہ ہر بات کو میرا دل اور دماغ بلاچون وچرا اور بغیر کسی شک وشبہ کے حرف بہ حرف سچ اور صحیح قبول کر لیتا ہے۔ اس بارے میں مجھے کبھی کسی قسم کی تاویلات یا تشبیہات یا تلمیحات کا سہارا لینے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ جدید عقلیت کے موجودہ دور میں قرآن پاک کی کسی آیت کے متعلق تشکیک سے محفوظ رہنے کو میں اپنی تیسری خوش نصیبی شمار کرتا ہوں۔

میری چوتھی خوش قسمتی کا تعلق ایک خواب سے ہے۔ اس کتاب کے ایک باب بعنوان "سوراج کرے گا خالصہ باقی رہے نہ کو" میں میرے ورنیکولر فائنل اور میٹرکولیشن کے امتحانات کا قصہ درج ہے۔ میری رہائش چمکور صاحب کے قصبہ میں تھی لیکن دونوں امتحانوں کے سنٹر گیارہ میل دور روپڑ شہر میں تھے۔ میں ہر صبح گیارہ میل پیدل چل کر پرچہ دینے جاتا تھا اور شام کو اسی طرح پاپیادہ گھر واپس لوٹ آتا تھا۔ حسن اتفاق سے ہر روز بائیس میل پیدل سفر کاٹنے کا جو نسخہ میرے ہاتھ آیا۔ اس نے میری زندگی کی کایا پلٹ کے رکھ دی۔ وہ نسخہ یہ تھا کہ میں سارا راستہ کبھی زور زور سے پکار کر اور کبھی خاموشی سے آہستہ آہستہ درود شریف کا ورد کرتا رہتا تھا۔ دراصل یہ ورد میں نے ایک ہندو برہمن کو ستانے کے لیے مذاق ہی مذاق میں شروع کیا تھا لیکن رفتہ رفتہ درود شریف کی برکت نے میرے ہوش وحواس اور میرے تن بدن کو ایک روحانی نورسی سے ڈھانپ لیا۔ اس کے بعد عمر بھر کے لیے ہر روز ایک مقررہ وقت تک درود شریف پابندی سے پڑھنا میری عادت

ثانیہ بن گئی۔ آٹھویں جماعت والے ورنیکولر فائنل کے امتحان کے دوران جب میں نے منہ اندھیرے شہر سرہند کے کنارے مذاق ہی مذاق میں یہ ورد شروع کیا تھا۔ تو چند روز بعد ایک عجیب خواب نظر آیا۔ خواب میں تاحدِ نگاہ ایک وسیع و عریض صحرا پھیلا ہوا تھا۔ میں اس میں کسی جانب تیز رفتاری سے بھاگتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ صحرا کی ریت اتنی گہری تھی کہ میری ٹانگیں گھٹنوں گھٹنوں تک اس میں دھنس دھنس جاتی تھیں۔ سانس پھول کر جب مزید بھاگنا محال ہو گیا تو میں گھٹنوں کے بل گھسٹتا گھسٹتا آگے بڑھتا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد جب گھٹنے بھی جواب دے گئے۔ تو میں منہ کے بل ریت پر لیٹ گیا اور اپنی ٹھوڑی اور پنجے ریت میں گاڑ گاڑ کر پیٹ کے بل آگے کی جانب رینگنے لگا۔ اس شدید مشقت سے میرا سانس بُری طرح پھول گیا تھا۔ میرے گھٹنے اور پیٹ اور ہاتھ شل ہو گئے تھے اور میرے سینے میں درد کی شدید ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں۔ اسی طرح رینگتے رینگتے اچانک ایک جانماز نما چٹائی کا ایک کونہ میرے ہاتھ میں آگیا۔ وہ چٹائی ایک کھجور کے درخت کے نیچے بچھی ہوئی تھی۔ اور حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر دو زانو تشریف فرما تھے حضورؐ نے ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ میری جانب دیکھا۔ اور عین اسی وقت میری آنکھ کھل گئی۔

فروری کا مہینہ تھا۔ اس کڑاکے کی سردی میں بھی میرا جسم پسینے سے شرابور تھا۔ سانس پھول کر دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ گلا کانٹے کی طرح خشک تھا۔ اور سینے میں دونوں جانب شدید درد کی ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں۔ وہ دن اور آج کا دن۔ سینے میں درد کی یہ ٹیسیں کبھی بند نہیں ہوئیں۔ ڈاکٹر صاحبان نے اسے انجائنا پیکٹورس تشخیص کیا ہے لیکن علاج آج تک نہیں ہو سکا۔

یہ خواب دیکھ کر میں کچھ دیر اپنے بستر پر گم سُم بیٹھا رہا۔ پھر مجھے بے اختیار رونا آگیا۔ رونے کی آواز سُن کر ماں جی بھی جاگ اٹھیں۔ وہ میری چارپائی پہ آکر بیٹھ گئیں

اور پیار سے بولیں۔ "کیوں بچے کوئی خواب دیکھا ہے؟"

"ہاں ماں جی ایک عجیب خواب دیکھا ہے۔"

ماں جی نے سونگھنے کے انداز میں چند لمبے لمبے سانس لیے اور بگڑ کر بولیں۔ "کتنی بار کہا ہے کہ رات کو خوشبودار تیل نہ لگایا کرو۔ اب اگر ڈر نہ لگے تو اور کیا ہو؟ لیکن تم بات مانتے ہی نہیں۔"

میں نے انہیں یقین دلایا کہ میں نے کوئی خوشبو والا تیل استعمال نہیں کیا۔ اور جلدی جلدی انہیں اپنا خواب من وعن سنا ڈالا۔ سنتے ہی انہوں نے مجھے گلے لگا لیا اور خود بھی بے اختیار رونے لگیں۔ ہم دونوں یونہی چپ چاپ بیٹھے روتے رہے۔ معلوم نہیں یہ خوشی کے آنسو تھے، یا شکرانے کے آنسو تھے۔ یا ظرف سے زیادہ نعمت عطا ہونے پر چھلک جانے کے آنسو تھے۔

اس واقعہ کو رونما ہوئے کم و بیش پچپن برس گزر چکے ہیں۔ زندگی کا یہ نصف صدی پر محیط صحرا میں نے اس خواب والی مشکل اور مشقت کی بجائے نہایت آرام و آسائش اور نشاط و انبساط سے عبور کیا ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ میری رسائی اس خوش نصیب چٹائی کے کونے تک نہیں ہو سکی جس پر انسانیت کی معراجؐ دو زانو ہو کر بیٹھی تھی۔ کوئی محرومی سی محرومی ہے۔

خواب میں سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانماز کا کونہ اپنے ہاتھ سے چھو لینے کے بعد مجھے یہ فکر دامنگیر ہو گئی کہ اب اگر میں نے خود نماز کی پابندی اختیار نہ کی۔ تو یہ ایک بیٹھے بٹھائے ملی ہوئی نعمت عظیم کا کفران ہو گا۔ پابندی کا لفظ استعمال کر کے میں نے مبالغہ سے کام لیا ہے۔ جوں توں کر کے لشتم پشتم میں نے نماز ادا کرنے کی کوشش تو ضرور کی ہے لیکن سچی بات یہ ہے کہ میں اقیموا الصلوٰۃ کا اصلی حق کبھی ادا نہ کر سکا۔

نماز کے ساتھ کسی قدر وابستگی پیدا کرنا میرے لیئے کافی کٹھن مرحلہ ثابت ہوا۔ یہ بات تو آسانی سے میری سمجھ میں آگئی کہ مختلف نوعیت کے دنیاوی کلبوں کی طرح اسلام بھی ایک طرح کا عالمگیر کلب ہے۔ دوسرے کلبوں کی رکنیت حاصل کرنے کے لیئے طرح طرح کے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ جو شخص کسی سماجی کلب کا ممبر منتخب ہونے میں کامیاب ہو جائے، اسے کلب کے تمام قواعد وضوابط پر سختی سے عمل کرنا پڑتا ہے۔ ماہانہ بل اور سالانہ چندہ پابندی سے ادا کیا جاتا ہے اور اپنے اعمال و کردار کو کلب کی روایات کے ساتھ شعوری طور پر ہم آہنگ رکھنا پڑتا ہے۔ ان شرائط کی خلاف ورزی ہو جائے تو کلب کی کمیٹی بلیک بال Black Ball کرکے کسی بھی ممبر کو بیک بینی و دو گوش کلب کی رکنیت سے خارج کر دیتی ہے۔ اس کے برعکس اسلام کچھ اور ہی طرح کا کلب ہے جو کوئی مسلمان ہو کر ایک بار اس کلب میں داخل ہو گیا، اس کی رکنیت تاحیات ہی نہیں بلکہ بعد از ممات بھی مستحکم طور پر قائم رہتی ہے۔ کلب کے قوانین کے مطابق وہ نماز پڑھے یا نہ پڑھے، سالانہ چندہ (زکوٰۃ) ادا کرے یا نہ کرے۔ یا کئی دوسری شرائط پر پورا اترے یا نہ اترے۔ یہ اس کے ذاتی افعال ہوتے ہیں جن کا معاملہ فقط اس کے اور اس کے خالق کے درمیان رہتا ہے۔ کسی دوسرے شخص کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ ان کمزوریوں، خامیوں اور بدنظمیوں کی بنا پر کسی ممبر کو اسلام کے کلب سے خارج کر سکے۔

اس کے علاوہ نماز کی ایک اور دلنواز صفت بھی میرے ذہن میں پوری طرح سما گئی دنیاوی حکمرانوں کے علاوہ چھوٹے موٹے رئیسوں، نوابوں اور سرکاری افسروں تک رسائی حاصل کرنے کے لیئے جو دوڑ بھاگ، منت خوشامد، سفارش اور دوسرے ہتھکنڈے استعمال میں لائے جاتے ہیں ان کی فہرست طویل ہے۔ لیکن رب العالمین اور احکم الحاکمین کے دربار میں حاضر ہونے کے لیئے صرف باوضو ہونے کی شرط ہے۔ اس کے علاوہ نماز کی نیت باندھنے میں نہ کسی پیر فقیر سے اجازت حاصل کرنے کی ضرورت ہے نہ کسی حکومت

کے قانون کی پابندی لازمی ہے نہ کسی دفتر سے پرمٹ بنوانا پڑتا ہے۔ نہ کوئی ٹکٹ خریدنے کی شرط ہے۔ نہ کوئی شناختی کارڈ دکھانا پڑتا ہے۔ نہ کسی خاص جگہ یا مقام کو تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ نہ کوئی پی اے۔ راستے میں حائل ہے۔ نہ کوئی دربان روکتا ٹوکتا ہے انسان کے اپنے نفس کے علاوہ عبد اور معبود کے اس راز و نیاز میں کوئی حجاب بیچ میں نہیں آتا۔ یہ تو دوکاندار پیروں فقیروں کی من گھڑت ہے کہ بیعت کے بغیر وہ خاص اسرار نہ بتائیں گے۔ وہ اسرار ہی کیسے ہیں جن کو وہ نہ بتائیں گے، جن اسرار کی ضرورت تھی ان کو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گلیوں اور بازاروں میں گھوم پھر کر اور پہاڑیوں اور منبروں پر چڑھ کر علی الاعلان بیان کر دیا ہے۔ ان کے علاوہ دین میں کوئی راز ہیں نہ اسرار۔ البتہ اشرار ضرور ہیں۔ جن کی بدولت لوگوں کو جال میں پھنسایا جاتا ہے ایسے جعلی پیر اکثر جاہل ہوتے ہیں۔ یوں منجملہ اسرار کے پانچ فن ہیں کیمیا، لیمیا، ہیمیا سیمیا اور ریمیا۔ ان میں کسی کا تعلق سونا بنانے سے ہے۔ کسی کا حبس دم سے۔ کسی کا روح منتقل کرنے کا تصرف حاصل کرنے سے۔ یہ سب دنیا دار شعبدہ بازوں، عاملوں اور جوگیوں کے استدراجی کرتب ہیں۔ دین سے ان کا دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ اور نہ ہی تصوف کے حقیقی جوہر سے ان کا کوئی تعلق ہے۔

عقلی طور پر تو میں نے نماز کی آسائش سہولت اور افادیت کو کشادہ دل سے تسلیم کر لیا لیکن عملی طور پر بڑی حد تک محرومی کا شکار رہا۔ نماز کا وقت آتے ہی میرے اعصاب پر کاہلی سستی اور کسلمندی کا ایسا شدید حملہ ہوتا تھا، کہ میں مایوس ہو کر سمجھ بیٹھتا تھا کہ ایسی نماز کا فائدہ ہی کیا جو رغبت اور شوق سے ادا نہ کی جائے۔ ایک روز قرآن کریم کی تلاوت کے دوران سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۴۲ نے اچانک میری آنکھیں کھول دیں۔ اس آیت کا ترجمہ یہ ہے: "...... اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں۔ صرف آدمیوں کو دکھلاتے ہیں ......"

کسل کا ریاء کے ساتھ مشروط کرنے سے میرے ذہن نے یہ سہارا پایا کہ کسل سے مراد کسلِ اعتقادی ہے۔ کسلِ طبعی نہیں۔ یعنی طبعی کسل پر ملامت نہیں۔ جس سے غالباً کوئی بھی مبرا نہیں۔ مَیں نے اپنے دل کو ٹٹولا، تو اپنی کاہلی اور سستی میں نہ تو اعتقاد کی کمزوری پائی اور نہ ہی ریاء اور نمائش کا دخل محسوس کیا۔

اس کے علاوہ پارہ ۱۷ میں سورۃ الانبیاء کی آیت نمبر۱ بھی میرے لیئے خضرِ راہ ثابت ہوئی۔ " ان لوگوں سے ان کا حساب نزدیک آپہنچا۔ اور یہ غفلت میں ہیں۔ اعراض کیے ہوئے ہیں۔ " اس سے مجھے یہ تسلی ہوئی کہ غفلت مذمومہ وہ ہے جس میں جان بوجھ کر اعراض یعنی ٹال مٹول ہو۔ خالی غفلت کی مذمت نہیں کیونکہ عادتہً اس سے کوئی خالی نہیں۔

چنانچہ میں نے ہمت کر کے اپنی تمام کاہلی، کسلمندی اور غفلت کے باوجود کسی حد تک نماز ادا کرنے کی پابندی اختیار کر لی۔ کافی عرصہ تک نماز گنڈے دار ہی پڑھتا رہا۔ لیکن نیت نیک رکھی۔ علاج کے طور پہ دل میں یہ عقیدہ بھی قائم رکھا کہ شروع میں اگر اعمال پر دوام نہیں ہوتا، تو اس مجموعہ پر ہی دوام کر لینا چاہیے کہ کبھی ہو گیا کبھی نہ ہوا۔ یہ بھی ایک طرح کا دوام ہی ہے۔ اگرچہ ناقص ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ہی ایک اور رکاوٹ بھی راستے کا پتھر بن کر سامنے آکھڑی ہوئی۔ کبھی نماز میں دل لگتا ہے کبھی نہیں لگتا۔ کبھی ذہن میں سکون ہوتا ہے۔ کبھی انتشار۔ کبھی وساوس کا ہجوم ہوتا ہے۔ کبھی پریشان خیالیاں حملہ آور ہوتی ہیں۔ نماز کے دوران دل میں یکسوئی شاذونادر ہی نصیب ہوتی تھی۔ اس سے دل میں یہ کھٹک رہتی تھی کہ ایسی ناقص نماز کا کیا فائدہ جو صرف اٹھک بیٹھک پر مشتمل ہو۔

رفتہ رفتہ ایک بات یہ سمجھ میں آئی کہ عمارت کی تعمیر کے لیئے ابتدا میں تو صرف بنیاد مضبوط کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس کے خوشنما ہونے کے پیچھے نہیں پڑتے۔ اس میں روڑے پتھر وغیرہ بھر دیتے ہیں، اور بعد میں اس پہ بڑے عالیشان محل اور بنگلے تعمیر ہوتے ہیں۔

اسی طرح ناقص عمل کی مثال ہی کامل عمل کی بنیاد کے مترادف ہے۔ بنیاد کی خوبصورتی اور بدصورتی پر نظر نہ کی جائے۔ جو کچھ جس طرح بھی ہوسکے کرتا رہے۔ جیسے نماز۔ گو ناقص ہی ہو مگر جو حدود ہیں۔ وہ ہو جاتی ہے۔ اسی پر عمل کرنے سے نماز کامل کا دروازہ بھی اپنے وقت پر کھلنا شروع ہو جاتا ہے۔

دوسری بات میرے دل میں یہ گھر کر گئی۔ کہ میرے جیسے ناقص العمل انسان کو اگر نماز کامل پڑھنے والوں کی نقل ہی نصیب ہو جائے تو یہ بھی بڑی سعادت ہے۔ رؤسا کے ہاں نقل پر بھی انعام ملتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات زیادہ ملتا ہے۔ اصل خربوزہ، تربوز، آم، کیلے وغیرہ لے جاؤ تو بازار کے بھاؤ کی عام قیمت ملے گی۔ اگر مٹی یا چینی کے بنے ہوئے نقلی لے جاؤ تو زیادہ انعام ملتا ہے۔ اسی طرح ہماری نماز تو گیا اگر نماز کی نقل ہی ہوتی رہے، تو شاید کسی وقت اس پر بھی انعام وارد ہو جائے۔

نماز کے دوران وساوس اور پریشان خیالیوں کے بارے میں ان کے اختیاری اور غیر اختیاری ہونے کا فرق ضرور محسوس اور معلوم کرتے رہنا چاہیے۔ جو وسوسے اور خیالات انسان اپنے دل میں خود لاتا ہے۔ انہیں روکنا اس کے اپنے اختیار میں ہے اس اختیار کو استعمال کرنا اس کا اپنا فرض ہے۔ اس اختیار کو استعمال میں لانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اپنی توجہ نماز کے الفاظ کے معانی کی طرف پھیر دے۔ یا اپنا دل خانہ کعبہ کی جانب مرکوز کرے۔ دل میں بیک وقت دو خیالات سمانے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس لیے جونہی دل نماز کے معانی یا خانۂ کعبہ کی جانب متوجہ ہوگا۔ اسی وقت وسوسہ کو وہاں سے دیس نکالا مل جائے گا۔

اکیسویں پارہ میں سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۴ میں ارشادِ الٰہی ہے۔ "اللہ تعالٰے نے کسی کے سینے میں دو دل نہیں بنائے ......" اس میں اس بات کی اصل ہے کہ دل ایک آن میں دو طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ اسی اصول کی بنیاد پر اختیاری وسوسوں کا مندرجہ بالا علاج

تجویز کیا گیا ہے۔ اسی سے اس شخص کا جھوٹ بھی ثابت ہوتا ہے۔ جو تسبیح بھی پھراتا رہتا ہے اور باتیں بھی کرتا رہتا ہے۔ اس سے وہ یہ دعویٰ کرنا چاہتا ہے کہ عین باتیں کرنے میں بھی وہ ذکر الٰہی میں مشغول ہے۔ نام نہاد مدعیوں کا یہ دعویٰ سراسر غلط اور باطل ہے۔

اس کے برعکس جو وساوس اور انتشارات غیر اختیاری طور پہ پیدا ہوں۔ ان کی جانب نہ التفات کرے نہ توجہ دے۔ بلکہ انہیں نظر انداز کر کے ایسے گزر جانے دے جیسے چھلنی سے پانی گزر جاتا ہے۔ وسوسے سے قلب کو خالی کرنے کی طرف متوجہ ہونا یہ خود ایک وسوسہ بن جاتا ہے۔ وسوسے کی طرف متوجہ ہونا تو اپنے قصد سے ہے گو دفع کا ہی قصد ہو مگر توجہ تو بقصد اور اختیاری ہوئی۔ اس لیے دلدل کی طرح اس میں اور زیادہ دھنسنے کا خدشہ بڑھ جاتا ہے۔ اس کی مثال بجلی کے تار کی طرح ہے کہ اگر دفع کی نیت سے بھی ہاتھ لگایا جائے تب بھی وہ چپٹیگا۔

نماز کے دوران دل میں غیر اختیاری وساوس آنے کی وجہ سے مایوسی یا پریشانی کا شکار ہونے کی بالکل کوئی ضرورت نہیں۔ دراصل انسان کا قلب تو ایک سپر ہائی وے

Super Highway کی مانند ہے۔ اس پہ بادشاہی سواریاں بھی گزرتی ہیں۔ امیر کبیر بھی چلتے ہیں۔ غریب اور فقیر بھی گزرتے ہیں۔ خوبصورتوں اور بدشکلوں کی بھی یہی گزرگاہ ہے۔ نیکوکاروں، پارساؤں اور دینداروں کے علاوہ کافروں، مشرکوں، مجرموں اور گنہگاروں کے لیے بھی یہ شارع عام ہے۔ عافیت اسی میں ہے کہ اس شاہراہ پہ جیسا ٹریفک بھی خود بخود آئے اسے خاموشی سے گزر جانے دیا جائے۔ اگر اس ٹریفک کی طرف متوجہ ہو کر اسے بند کرنے یا اس کا رخ موڑنے کی کوشش کی گئی، تو دل کی سڑک پہ خود اپنا ہمیشہ جام ہونے کا شدید خطرہ ہے۔ اس راستے کا ٹریفک سگنل صرف سبز بتی پہ مشتمل ہوتا ہے اس میں سرخ بتی کے لیے کوئی جگہ نہیں۔

نماز کے اوقات کے علاوہ دوسرے اوقات میں بھی زندگی کا اصل راز یہ ہے کہ دنیا کو قلب سے نکالو گو ہاتھ میں بقدر ضرورت موجود رہے۔ دنیا کا ہاتھ میں ہونا مضر نہیں۔ دل میں سمانا مضر

ہے۔ قلب تو بس حق تعالیٰ ہی کے رہنے کی جگہ ہے۔ قلب کو صاف رکھنا چاہیے۔ نہ معلوم کس وقت نورِ حق اور رحمتِ الٰہی قلب پر جلوہ گر ہو جائے۔ اس کا خاص اہتمام رکھو کہ قلب فضولیات سے خالی رہے جس طرح فقیر اپنے برتن کو خالی رکھتا ہے کہ نہ معلوم کسی وقت کسی سخی کی نظر عنایت ہو جائے۔ ایسے ہی قلب کو خالی رکھو نہ معلوم کس وقت رحمت کی نظر ہو جائے۔

قلب کو دنیا کی فضولیات سے خالی رکھا جائے تو اس میں فروتنی، عجز اور انکسار کے شگوفے کھلتے ہیں۔ ان شگوفوں کی خوشبو عجب اور کبر کی بدبو کو نکال باہر کرتی ہے۔ عجب میں انسان دوسرے کو تو حقیر نہیں سمجھتا لیکن اپنے کو عظیم سمجھتا ہے۔ کبر میں دوسرے کو بھی حقیر سمجھتا ہے۔ یہ رذائل قلب کی صفائی کو گندگی سے آلودہ کر دیتے ہیں۔ اس غلاظت سے نجات حاصل کر کے اگر قلب کو عجز و انکسار کی پستی میں بچھا دیا جائے تو اس کا رخ پاکیزگی کے پرنالے کی جانب مڑ جاتا ہے۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ:

ہر کجا پستی است آب آں جا رود
ہر کجا مشکل جواب آں جا رود

ہر کجا دردے دوا آں جا رود
ہر کجا رنجے شفا آں جا رود

(پانی نشیب ہی میں جاتا ہے۔ جہاں کوئی مشکل ہوتی ہے اسی کے حل کے لیے جواب بنتا ہے۔ جہاں درد ہو وہاں دوا کام آتی ہے۔ جہاں کوئی مرض ہو اسی سے شفا نصیب ہوتی ہے۔)

کہنے کی حد تک تو یہ ایک معمولی سی، چھوٹی سی بات ہے کہ قلب کو فضولیات سے

خالی رکھنا چاہیے۔ لیکن اس پر عمل کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ قدم قدم پر بار بار ناکامی، مایوسی اور ہزیمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن میرا تجربہ ہے کہ اگر ثابت قدمی کے ساتھ انسان اس کوشش میں لگا رہے۔ تو رفتہ رفتہ اس کا نخل تمنا ضرور سرسبز ہونے لگتا ہے۔ اگر اس کی خواہش کے مطابق اس کوشش کا نتیجہ خاطر خواہ نکلتا ہوا نہ بھی محسوس ہو پھر بھی اس لگے رہنے میں ہی لگے رہنا چاہیے۔ اس سعی اور کاوشں میں اس مقولے کو پیش نظر رکھنا تقویت دیتا ہے۔

یابم او را یا نیابم جستجوئے می کنم
حاصل آید یا نیاید آرزوئے می کنم

(اس کو پاؤں یا نہ پاؤں اس کی طلب میں لگا رہوں گا۔ وہ ملے یا نہ ملے اس کے ملنے کی آرزو برابر کرتا رہوں گا۔)

برسوں کی ریاضت، مجاہدہ اور کوشش کے بعد اگر یہی احساس حاوی رہے کہ مجھے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ تو درحقیقت اس کو سب کچھ حاصل ہوگیا۔ لیکن جونہی کسی کے ذہن میں یہ خیال اُبھرا کہ اب میرا قلب عاجزی اور انکساری کا مسکن بن گیا ہے تو خطرہ ہے کہ شاید وہ پہلے سے بھی زیادہ کبرِ عظیم میں مبتلا ہوگیا ہو! اس دو دھاری تلوار سے بچ بچ کر چلنا ہی کامیابی کا اصل راز ہے۔

نماز پڑھنے میں کسلمندی، بے رغبتی اور وساوس کے بعد اگلی دشواری خشوع کا مسئلہ تھا۔ قرآن پاک کی سورۃ البقرۃ کی آیات نمبر ۴۵ اور ۴۶ میں خشوع کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے: "اور مدد لو صبر اور نماز سے۔ اور بے شک نماز دشوار ضرور ہے۔ لیکن جن کے قلب میں خشوع ہو اُن پر کچھ بھی دشوار نہیں۔ خاشعین وہ لوگ ہیں جو خیال رکھتے ہیں اس کا کہ وہ بیشک ملنے والے ہیں اپنے رب سے۔ اور اس بات کا بھی خیال رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف واپس جانیوالے ہیں"۔

اس کے علاوہ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۲۳۸ میں یہ ہدایت بھی ہے۔ "...... اور (نماز) میں کھڑے ہوا کرو۔ اللہ کے سامنے عاجز بنے ہوئے"

اگرچہ ان آیات میں اللہ تعالےٰ نے حصولِ خشوع کا ایک خوشگوار طریقہ بتا دیا ہے جسے اختیار کرنے سے عبادت میں بھی سہولت پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود عملی سطح پر یہ سوال مجھے کافی عرصہ تک پریشان کرتا رہا کہ نماز میں خشوع کیسے حاصل ہو؟ اس کی وجہ میرے اعتقاد کی کمزوری نہیں بلکہ میری استعداد کی کمی تھی۔

خشوع کا مقصد سکونِ قلب ہے۔ قلب میں سکون اسی وقت ہوتا ہے جبکہ اس میں افکار یا وساوس حرکت نہ کریں۔ دل میں افکار اور وساوس کی حرکت کو روکنا بڑی حد تک ایک اختیاری امر ہے۔ اس اختیار کو استعمال کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک محمود شے کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اس سے دوسری غیر محمود حرکات خود بخود بند ہو جائیں گی۔ اس سے یکسوئی ہو جاتی ہے۔ مثلاً یہ تصور کرے کہ نماز کعبہ سامنے ہے۔ اگر نماز کے الفاظ کی طرف توجہ کرنا آسان ہو تو یہ کرے اور معانی کی طرف توجہ کرے۔ یا اگر حق تعالیٰ کی ذات کی جانب توجہ ہو سکے تو یہ سب سے افضل ہے۔ توجہ کو اس طرح ادل بدل کرنے میں زیادہ کھود کرید نہ کرے۔ معتدل توجہ کافی ہے۔ اگر اس درجہ کے ساتھ دوسرے وساوس اور خیالات بھی آتے ہیں تو مضر نہیں کیونکہ وہ غیر اختیاری ہیں۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے آنکھ سے کسی کتاب میں کسی خاص لفظ کو قصداً دیکھیں تو اس کے ساتھ اس کے آس پاس کے کئی دوسرے الفاظ پر بھی ضرور نظر پڑ جاتی ہے۔

مگر چونکہ یہ نظر قصداً نہیں اس لیے یہی کہیں گے کہ فلاں خاص لفظ دیکھا دوسرے الفاظ کو خود نہیں دیکھا بلکہ نظر آ گئے جس طرح یہ انتشار شعاع بصر میں ہوتا ہے۔ اسی طرح بصیرت میں بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ ارادہ تو ایک خاص چیز کا ہوتا ہے مگر بلا ارادہ دوسری چیزوں پر بھی نگاہ بصیرت جا پڑتی ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس سے خشوع میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ ہم جیسے عامیوں کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ خواص کے معیار الگ ہوں تو دوسری بات ہے۔ ہمارا ان کا کیا مقابلہ!

یہ بعض ابتدائی مراحل ہیں جو بسا اوقات بڑے کٹھن محسوس ہوتے ہیں۔ لیکن آسانی اسی میں ہے کہ اگر عمل کے اعلیٰ درجہ پر قدرت نہ ہو سکے، تو اس کے ادنیٰ درجہ پر ہی عمل کرے۔ اعلیٰ کے قادر ہونے کے انتظار میں نہ رہے۔ کیونکہ خطرہ ہے کہ تمام عمر اسی انتظار میں گزر جائے اور ادنیٰ سے بھی محروم رہے۔

اللہ کا نام اعلیٰ طریقہ پر لیا جائے یا ادنیٰ طور پر، اپنا اثر ضرور رکھتا ہے۔ دنیا میں بعض اشیاء ایسی ہیں کہ ان کا نام لینے سے ہی منہ میں پانی بھر آتا ہے۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے اور اس میں اثر نہ ہو؟ خود خالی نام میں بھی برکت ہے۔ خواہ پوری توجہ سے لیا جائے یا کم توجہ سے۔

نماز میں کاہلی و کسلمندی، بے ذوقی و بے رغبتی، وساوس اور پریشان خیالی اور خضوع و خشوع کے ابتدائی مراحل کسی حد تک طے کر لینے کے بعد اس کا اصل جوہر رسوخ میں مضمر ہے۔ دنیاوی معاملات میں تو اثر و رسوخ کا مقصد کوشش کی بجائے سفارش کے ذریعہ اپنا کام نکلا ہوتا ہے۔ لیکن دین میں اس اصطلاح کا مطلب کچھ اور ہے۔ نماز کا مقصد قلب کی توجہ کو اللہ کی جانب راسخ کرنا ہے۔ اگر مستقل کوشش اور مجاہدوں کے ذریعہ یہ نوبت آ جائے کہ رفتہ رفتہ نماز بلا تکلف پڑھنے کی عادت پڑ گئی ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اب اپنی اپنی استعداد کے مطابق کسی نہ کسی درجہ میں رسوخ حاصل ہو گیا ہے۔ رسوخ حاصل کرنے کے لیے اپنے بہت سے طبعی میلانات اور رجحانات کے خلاف مجاہدہ کرنا لازمی ہے۔ مثلاً کاغذ کو لپیٹ

کر موڑ دیں تو اس میں خم پڑ جاتا ہے۔ سیدھا کرنا چاہیں تو اس کا برعکس کریں یعنی اس کو الٹا موڑیں دوسری طرف موڑے بغیر سیدھا نہیں ہوتا۔ یہی مثال انسان کی طبیعت کی ہے۔ کام میں لگنا چاہیے۔ یہ دیکھنے کی ضرورت نہیں کہ کیفیات بھی ہیں یا نہیں۔ حظوظ و لذائذ بھی ہیں یا نہیں۔ اور نہ یہ جانچنے کی ضرورت ہے کہ رسوخ کی جانب کچھ ترقی ہوئی یا نہیں۔ اگر ایک بچہ ہماری نظروں کے سامنے نشوونما پا رہا ہو تو ہمیں لمحہ بہ لمحہ یا روز بروز یا ہفتہ بہ ہفتہ یا ماہ بہ ماہ ہرگز یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ وہ جسمانی طور پر کتنا بڑھ گیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی بالیدگی رکی ہوئی ہے۔ بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ہر روز تو ہمیں اس کا کچھ احساس نہیں ہوتا لیکن ایک خاص وقت گزرنے کے بعد بچے کا بڑھا ہوا قد کاٹھ صاف طور پر ہماری نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے۔ یہی حال رسوخ کا ہے۔ روز کے روز تو ہمیں اس کی ترقی یا تنزل کا کچھ علم نہ تو ہوتا ہے اور نہ ہی ہو سکتا ہے لیکن رفتہ رفتہ جب اپنی طبعی اور نفسانی اور نفسیاتی رکاوٹوں کے باوجود نماز کا فریضہ روزمرہ کے بندھے بندھائے معمول کے مطابق ادا ہونا شروع ہو جائے تو گمان کر لینا چاہیے کہ اگر ہم رسوخ کی شہر پناہ میں نہیں تو کم از کم اس کے پھاٹک پر ضرور کھڑے ہیں۔ لیکن یہاں پر بھی نماز میں کسی خاص وجدانی کیفیت یا استغراقی لطف و سرور کی تلاش میں سرگرداں نہ ہو۔ نماز صحیح طور پر ادا کرنا فرض ہے۔ اس سے لطف یا حظ اٹھانا فرض نہیں۔ نماز اللہ کے لیے پڑھی جاتی ہے۔ لطف و سرور کا مزا اٹھانے کے لیے نہیں۔ عارفین نے تو عبادت کی لذت کے قصد سے بھی پناہ مانگی ہے۔ اگر ساری عمر گزر جائے اور کوئی لذت ان کو نہ آئے وہ اس پر بھی خوش رہتے ہیں۔

رسوخ کا حصول ایک اختیاری امر ہے جو انسان کے اپنے ارادہ سے ہوتا ہے۔ شروع ہی میں اس ارادہ کی نیت کر لینا کافی ہے۔ جب تک اس ارادہ کے برعکس یا برخلاف کوئی عمل واقع نہ ہو وہ آخر تک لازماً قائم اور برقرار رہتا ہے۔ مثلاً فرض کیجیے کہ کوئی شخص لائبریری جانے کے لیے نکلا تو کیا وہ ہر قدم پر لائبریری کی جانب چلنے کا ارادہ کرے گا؟ ہرگز نہیں۔

بس ایک ہی مرتبہ کا ارادہ کافی ہوتا ہے۔ اسی کے اثر سے لائبریری کی طرف برابر قدم اٹھتا رہے گا۔ اب وہ چل بھی رہا ہے اور کسی سے بات بھی کر رہا ہے۔ یا کتاب یا اخبار بھی دیکھ رہا ہے۔ اس وقت چلنے کی طرف تو اس کا مطلق دھیان نہیں ہوتا۔ لیکن قدم لائبریری کی طرف اٹھتا جاتا ہے۔ اسی طرح جب کوشش اور مجاہدہ سے عبادت کے ساتھ کسی قدر لگن اور لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ تو طبعی طور پر افعال صالحہ صادر ہونے لگتے ہیں۔ زیادہ اہتمام اور مشقت کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ اگر عبادت یا نماز کا مجاہدہ کسی دنیادی غرض سے نہ کیا جائے۔ بلکہ اس ارادہ سے کیا جائے کہ بے تکلف افعال صالحہ کا صدور ہونے لگے تو وہی مشقت ہر ہر فعل کی معاون و مددگار ہو جائے گی اور عروج کمال کا راستہ وا ہو جائے گا۔ یہی استقامت سب سے بڑی کرامت ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور رضا کا سایہ ہر وقت چھایا رہتا ہے۔ ایسے لوگ مستجاب الدعوات ہوتے ہیں یعنی ان کی اکثر دعائیں قبول ہوتی ہیں ان کا ارادہ بھی دعا بن جاتا ہے۔ ان کی خواہش بھی دعا ہوتی ہے۔ چونکہ ان کی اپنی خواہشات کا دائرہ سمٹ سمٹ کر صفر کے برابر ہو گیا ہوتا ہے۔ اس لیے ان کی دعائیں ان کے ارادے اور ان کی خواہشیں زیادہ تر دوسروں کے لیے ہوتی ہیں جن پر قبولیت کا فضل وارد ہوتا ہے۔ اپنی ذات کے لیے ان کی صرف ایک ہی دعا اور خواہش ہوتی ہے۔ وہ حسن خاتمہ کی ہوتی ہے۔

یہ سارا معجزہ رُوٹین (Routine) اور صرف رُوٹین (Routine) کی برکت سے رونما ہوتا ہے۔ عرف عام میں تو روٹین کا لفظ کسی قدر غیر ترقی یافتہ، سادہ، اَن گھڑ، جامد اور کسی قدر غیر مہذب معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً تخلیقی اُپج سے عاری انسان کو جو کولھو کے بیل کی طرح ایک ہی دائرے میں چکر کاٹتا رہے مذاقاً روٹین کا آدمی سمجھا جاتا ہے۔ روز بروز ایک ہی طرح کی مشقت بار بار دُہرانے کو روٹین کا نام دے کر مُسترد کر دیا جاتا ہے۔ جس عمل میں رنگ برنگی گوناگونی اور بوقلمونی کی چاشنی نہ ہو اسے بھی روٹین کے کھاتے میں ڈال کر حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ لیکن باطن کی دنیا میں دین کا خیش

محل فقط روٹین کی بنیاد پر تعمیر ہو سکتا ہے، ہر روز مقررہ اوقات میں مقررہ رکعتوں والی نمازیں بلاناغہ پڑھنا روٹین نہیں تو اور کیا ہے؟ ہر نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا، اور رکوع وسجود میں وہی کلمات بار بار دُہرانا اس سے بڑی روٹین ہے۔ نماز کے علاوہ جو افراد ذکر شغل اور مراقبہ کے میدان میں بھی قدم رکھنا چاہتے ہیں، ان کی روٹین کی بھی نہ کوئی حد ہے نہ انتہا۔ اسمائے الٰہی میں سے ایک ہی اسم، یا نفی اثبات میں کلمہ طیبہ یا دیگر کلمات کو سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں بار دُہرانا۔ اور اس ذکر شغل یا مراقبے کو حتی الوسع ایک ہی مقررہ اوقات میں ایک ہی مقررہ مقام پر بیٹھ کر پابندی سے نبھانا روٹین کا ایک ایسا درجہ ہے جہاں پہ اس کا وجود محض یکسانی نہیں رہتا بلکہ تخلیقی رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ ذکر و شغل اور مراقبہ میں ہر روز ایک ہی مقام اور ایک ہی وقت متعین کرنے میں ایک نہایت باریک، لطیف اور نازک رمز پوشیدہ ہے۔ مثال کے طور پہ ایک تالاب ہے جس میں بہت سی مچھلیوں کا بسیرا ہے۔ اگر کوئی شخص ہر روز ایک ہی مقررہ وقت پر تالاب کے ایک خاص کونے پہ کھڑا ہو کر مچھلیوں کی کوئی پسندیدہ خوراک ڈالتا رہے، تو رفتہ رفتہ تالاب کی تمام مچھلیاں اس مخصوص وقت اور مقام پہ جمع ہونا شروع ہو جائیں گی۔ بعض اوقات تو وہ وقت سے پہلے ہی اس خاص کونے میں جمع ہو کر اپنی پسندیدہ خوراک کے انتظار میں منڈلانا شروع کر دیں گی۔ لیکن اگر کسی روز وہ شخص کسی دوسرے وقت پہ آ کر اسی تالاب کے کسی دوسرے کونے میں وہی خوراک ڈالے تو چند مچھلیاں تو ضرور آ جائیں گی لیکن باقی سب محروم رہیں گی۔ اسی طرح اگر ہر روز وقت اور مقام ادلتے بدلتے رہیں تو بھی یہی ادھوری کیفیت رہے گی۔ تالاب کی مچھلیوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں اپنی طرف کھینچنے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ ان کی دلپسند اشیاء کو ہر روز ایک خاص مقررہ وقت اور مقام پہ ڈالتے رہیں۔ اسی طرح ذکر، شغل اور مراقبہ کے دوران بھی ایک ہی خاص جگہ اور وقت مقرر کرنے سے فضائے بسیط میں پھیلے ہوئے بے شمار رحمانی اور ملکوتی اثرات کو اپنی جانب منعطف کرنے میں بڑی سہولت ملتی ہے۔

البتہ اس مثال کا اطلاق نماز پر نہیں ہوتا۔ نماز کی فضیلت باجماعت ادا کرنے میں ہے اس اجتماعی عبادت میں اوقات کا تعین تو لازمی ہے لیکن مسجد میں اپنے لیے ہمیشہ ایک ہی جگہ پر قابض رہنے کی کوشش کرنا نامناسب اور غیر واجب ہے۔

نماز میں رسوخ کے بعد اگلی منزل اللہ کے ساتھ نسبت قائم کرنے کی ہے۔ نسبت ایک لگاؤ اور تعلق کا نام ہے جو دونوں طرف سے ہوتا ہے۔ بندہ کو خدا سے اور خدا کو بندہ سے۔ اسے نسبت باطنی کہتے ہیں۔ رسوخ میں جس قدر ثبات اور توانائی بڑھے گی۔ نسبت میں اسی رفتار سے استحکام اور لطافت کو فروغ حاصل ہوگا۔ باطنی نسبت معرفت الٰہی کا دریچہ ہے۔ حقیقی نسبت کی پہچان یہ ہے کہ حاصل ہونے کے بعد پھر زائل نہیں ہوتی۔ جیسے پھل پک کر کچا نہیں ہوتا۔ یا انسان بالغ ہو کر نابالغ نہیں ہو سکتا۔

قرآن حکیم کی سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۵۷ میں ارشاد ہے۔ ..... "جو شخص شیطان سے بداعتقاد ہو اور اللہ تعالےٰ کے ساتھ خوش اعتقاد ہو۔ تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا۔ جس کو کسی طرح کی شکستگی نہیں۔....." اس میں صاف دلیل ہے اس بات پر کہ نسبت مع اللہ حصول کے بعد منقطع اور شکستہ نہیں ہوتی۔

نسبت کا تعلق اگرچہ باطن سے ہے لیکن باطن خلا میں پرورش نہیں پاتا۔ بلکہ انسان کے ظاہر کی چار دیواری میں مقید ہوتا ہے۔ انسان کا ظاہر اور باطن ایک ہی گاڑی کے دو پہیے ہیں اگر دونوں پہیوں کی جسامت، ناپ، سائز، گولائی اور صفائی برابر اور یکساں نہ ہوگی، تو گاڑی اصل منزل مقصود پر ہرگز نہ پہنچ پائے گی۔ اصل منزل مقصود حق تعالیٰ کا راضی کرنا ہے جس کا ذریعہ شریعت کے احکام کی پابندی ہے ان احکام میں بعض ظاہر کے متعلق ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، لین دین، شہادت، وصیت، وراثت اور دیگر جملہ حقوق العباد اور بعضے باطن کے متعلق ہیں، جیسے حب الٰہی، محبت رسولؐ، خوف خدا، یاد خدا، تقویٰ اور توکل کو اپنانا، اور تمام صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کے علاوہ کبر، عجب، شک، منافقت حسد، ریا، مکر، فریب، جھوٹ اور غیبت جیسے بے شمار مہین مہین رذائل سے نجات پانا ہے۔

سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۱۲۰ میں ارشاد ہے۔ " اور تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑ دو اور باطنی گناہ کو بھی چھوڑ دو ......"

اپنے ظاہر اور باطن کو شریعت کی راہ پر توازن اور اعتدال سے چلانے ہی سے عبدیت کا سفر طے ہوتا ہے۔ اگر عبدیت میسر ہو جائے تو ولایت، اوتادیت، ابدالیت، قطبیت، غوثیت وغیرہ سب اس پر قربان ہیں۔

ایک غلط فہمی یہ عام ہے کہ یہ تصوف کے مسائل ہیں۔ دراصل یہ تصوف کے نہیں بلکہ شریعت کے مسائل ہیں۔ دین کی اصل شاہراہ شریعت ہے۔ تصوف کے سارے سلسلے چھوٹی چھوٹی پگڈنڈیاں ہیں جو اپنے اپنے طریق سے انجام کار شریعت کی شاہراہ سے جا کر مل جاتی ہیں۔ ان پگڈنڈیوں کی اپنی کوئی الگ منزلِ مقصود نہیں۔ ان سب کی مشترکہ اور واحد منزلِ مقصود شاہراہ شریعت تک پہنچانا ہے۔ اس شاہراہ پر مزید سفر کرنے سے وہ راہ سلوک طے ہوتی ہے جس کا مقصد نسبتِ باطنی، نسبت مع اللہ، معرفتِ الٰہی اور رضاءِ الٰہی کا حصول ہے۔

کچھ لوگ ہمتِ مردانہ رکھتے ہیں اور خود بخود راہِ شریعت پر گامزن ہو کر زندگی کا سفر بغیر کسی تکان، ہیجان اور خلجان کے پورا کر لیتے ہیں۔ ان کی خوش قسمتی قابلِ رشک ہے اور میں انہیں دلی عزت و احترام سے سلام کرتا ہوں۔

لیکن بعض لوگ ایسے ہیں جن کے قدم شریعت کی راہ پر رواں ہونے سے ہچکچاتے اور ڈگمگاتے ہیں، جس طرح کچھ بچے سکول میں داخل ہونے کے بعد پڑھنے سے گھبراتے اور کتراتے ہیں۔ ان کے علاج کے لیے تعلیمی ماہرین نے کنڈرگارٹن (Kindergarten) اور مونٹیسوری (Montessori) سکول ایجاد کیے جن میں بچوں کو کھیل کود اور کھلونوں وغیرہ سے بہلا پھسلا کر پڑھنے لکھنے سے مانوس کیا جاتا ہے۔ یہ صرف چھوٹی عمر کے سکول ہوتے ہیں ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بچوں کا رجحان لکھنے پڑھنے کی طرف مائل کر کے وہ انہیں معاشرے کے عام تعلیمی نظام میں شامل کر دیں۔ تصوف کے سلسلے بھی ایک طرح کے کنڈ

گارڈن اور یونیورسٹی سکولوں کی مانند ہیں جو شریعت سے بھٹکے ہوئے بندوں کو طرح طرح کے اذکار، اشغال اور مراقبات کے انوار و آثار و تجلیات و برکات سے چکاچوند کر کے انہیں شاہراہِ شریعت پر خوشدلی سے گامزن ہونے کے قابل بنا دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ تصوف کا اور کوئی مقصود نہیں۔

ابتدا میں میرا اپنا شمار بھی ان تن آسانوں میں تھا جو شریعت کے نظم و ضبط کی بندشوں سے بری طرح گھبراتے تھے۔ اس زمانے میں اردو ادب میں آزاد نظم کا اسلوب نیا نیا وارد ہوا تھا۔ اپنی کوتاہ اندیشی اور حماقت سے کچھ عرصہ تک میں اس خام خیالی میں مبتلا رہا کہ جس طرح قافیہ اور ردیف کے بغیر چھوٹے بڑے مصرعوں میں بحر، وزن اور عروض کی ظاہری ناہمواریوں کے باوجود ایک نظم شاعری کے فن میں شامل سمجھی جاتی ہے۔ اسی طرح فقط نماز اور روزہ نبھا کر اور شریعت کی باقی تمام بندشوں سے آزادی اختیار کر کے مجھے ایک اچھا مسلمان تسلیم کیے جانے کا حق بھی حاصل ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ان دنوں ابھی نثری نظم کا چرچا شروع نہ ہوا تھا۔ ورنہ شاید میں نماز اور روزہ کی شرط بھی اٹھا دیتا۔

لیکن ایک بار پھر میری خوش قسمتی آڑے آئی۔ اتفاق سے حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کی تصنیف "عوارف المعارف" کہیں سے میرے ہاتھ آ گئی۔ بے حد دقیق کتاب تھی۔ میں نے اسے کئی بار پڑھا، لیکن کچھ پلے نہ پڑا۔ لیکن اتنا ضرور ہوا کہ میری سوچ کے ظلمت کدے میں ایک نیا روشندان کھل گیا۔ اس کے بعد میں نے حضرت غوث الاعظمؒ سے لے کر مولانا اشرف علی تھانویؒ تک درجنوں ایسی کتابیں کھنگال ڈالیں جو ان بزرگانِ شریعت و طریقت کی اپنی تصانیف تھیں یا دوسروں نے ان کے حالات یا ملفوظات یا تعلیمات قلمبند کر رکھی تھیں۔ اس علمی ذخیرہ نے مجھے طریقت کے چاروں بڑے سلسلوں اور ان کے علاوہ کئی چھوٹے چھوٹے ضمنی سلسلوں کے بارے میں کافی آگاہی بخشی۔ لیکن ساتھ ہی ایک الجھن بھی میرے دل میں پیدا ہو گئی۔ یہ الجھن تلاشِ مرشد یا تلاشِ شیخ کے بارے میں تھی۔ طریقت کے سلسلے

سلسلوں میں ایک بات مشترک تھی۔ وہ یہ کہ اس راستے پر قدم اٹھانے سے پہلے کسی مرشد کو اپنا رہنما بنانا لازمی ہے۔

مجھے یقین تھا کہ میرے آس پاس اور اردگرد بہت سے ایسے بزرگانِ دین اور پیرِ طریقت موجود ہوں گے جنہیں میرا مرشد بننے کا حق حاصل تھا۔ لیکن مرید کے طور پر اپنے شیخ کے سامنے بلا سوال جواب مکمل ذہنی اطاعت قبول کرنے کی جو شرط لازم تھی۔ اسے نبھانا میرے بس کا روگ نہ تھا۔ اس لیے میں نے تلاشِ شیخ کے لیے کوئی خاص کوشش نہ کی۔ بلکہ اپنی نگاہ سلسلۂ اویسیہ پر رکھی جس کے بارے میں بہت سے بزرگانِ سلف کی تصنیفات میں چھوٹے چھوٹے اشارے ملتے تھے۔ لیکن یہ کہیں درج نہ تھا کہ اس سلسلہ میں قدم رکھنے کے لیے کونسا دروازہ کھٹکھٹایا جاتا ہے اور نہ یہ معلوم تھا کہ اس میں داخل ہونے کے کیا کیا قواعد وضوابط اور آداب ہیں۔ لیکن ایک بار پھر یونہی بیٹھے بٹھائے خوش قسمتی کی لاٹری میرے نام نکل آئی۔

ایک بار میں کسی دور دراز علاقے میں گیا ہوا تھا۔ وہاں پر ایک چھوٹے سے گاؤں میں ایک بوسیدہ سی مسجد تھی۔ میں جمعہ کی نماز پڑھنے اس مسجد میں گیا۔ تو ایک نیم خواندہ سے مولوی صاحب اردو میں بے حد طویل خطبہ دے رہے تھے۔ ان کا خطبہ گزرے ہوئے زمانوں کی عجیب و غریب داستانوں سے اٹا اٹ بھرا ہوا تھا۔ کسی کہانی پر ہنسنے کو جی چاہتا تھا، کسی پہ حیرت ہوتی تھی۔ لیکن انہوں نے ایک داستان کچھ ایسے انداز سے سنائی کہ تھوڑی سی رقت طاری کر کے وہ سیدھی میرے دل میں اتر گئی۔ یہ قصہ ایک باپ اور بیٹی کی باہمی محبت واحترام کا تھا۔ باپ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم تھے اور بیٹی حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا تھیں مولوی صاحب بتا رہے تھے کہ حضور رسولِ کریمؐ جب اپنے صحابہ کرامؓ کی کوئی درخواست یا فرمائش منظور نہ فرماتے تھے۔ تو بڑے بڑے برگزیدہ صحابہ کرامؓ بی بی فاطمہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی منت کرتے تھے کہ وہ ان کی درخواست حضورؐ کی خدمت میں لے جائیں اور اسے منظور کروا لائیں۔ حضور نبی کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے دل میں بیٹی کا اتنا پیار اور احترام تھا۔ کہ اکثر اوقات جب

بی بی فاطمہؓ ایسی کوئی درخواست یا فرمائش لے کر حاضرِ خدمت ہوتی تھیں تو حضورؐ خوش دلی سے اسے منظور فرما لیتے تھے۔ اس کہانی کو قبول کرنے کے لیے میرا دل بے اختیار آمادہ ہو گیا۔

جمعہ کی نماز کے بعد میں اسی بوسیدہ سی مسجد میں بیٹھ کر نوافل پڑھتا رہا۔ کچھ نفل میں نے حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روح مبارک کو ایصال ثواب کی نیت سے پڑھے۔ پھر میں نے پوری یکسوئی سے گڑگڑا کر یہ دعا مانگی۔ "یا اللہ میں نہیں جانتا کہ یہ داستان صحیح ہے یا غلط لیکن میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تیرے آخری رسولؐ کے دل میں اپنی بیٹی خاتونِ جنت کے لیے اس سے بھی زیادہ محبت اور عزت کا جذبہ موجزن ہوگا۔ اس لیے میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی روحِ طیبہ کو اجازت مرحمت فرمائیں کہ وہ میری ایک درخواست اپنے والدِ گرامی صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کر کے منظور کروا لیں۔ درخواست یہ ہے کہ میں اللہ کی راہ کا متلاشی ہوں۔ سیدھے سادے مروجہ راستوں پر چلنے کی سکت نہیں رکھتا۔ اگر سلسلہ اویسیہ واقعی افسانہ نہیں بلکہ حقیقت ہے تو اللہ کی اجازت سے مجھے اس سلسلے سے استفادہ کرنے کی ترکیب اور توفیق عطا فرمائی جائے۔"

اس بات کا میں نے اپنے گھر میں یا باہر کسی سے ذکر تک نہ کیا۔ چھ سات ہفتے گزر گئے اور میں اس واقعہ کو بھول بھال گیا۔ پھر اچانک سات سمندر پار کی میری ایک جرمن بھابی کا ایک عجیب خط موصول ہوا۔ وہ مشرف بہ اسلام ہو چکی تھیں۔ اور نہایت اعلیٰ درجہ کی پابندِ صوم و صلوٰۃ خاتون تھیں۔ انہوں نے لکھا تھا:

The other night I had the good fortune to see "Fatimah" daughter of the Holy Prophet (Peace be upon him) in my dream. She talked to me most graciously and said, "Tell your brother-in-law Qudrat Ullah Shahab, that I have submitted his request to my exalted Father who has very kindly accepted it".

رات میں نے خوش قسمتی سے فاطمہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ انہوں نے میرے ساتھ نہایت تواضع اور شفقت سے باتیں کیں اور فرمایا کہ اپنے دلیر قدرت اللہ شہاب کو بتا دو کہ میں نے اس کی درخواست اپنے برگزیدہ والد گرامیؐ کی خدمت میں پیش کر دی تھی۔ انہوں نے ازراہ نوازش اسے منظور فرما لیا ہے۔"

یہ خط پڑھتے ہی میرے ہوش و حواس پر خوشی اور حیرت کی دیوانگی سی طاری ہوگئی۔ مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ میرے قدم زمین پر نہیں پڑ رہے بلکہ ہواؤں میں چل رہے ہیں۔ یہ تصور کہ اس برگزیدہ محفل میں ان باپ بیٹی کے درمیان میرا ذکر ہوا۔ میرے رونگیں رونگیں پر ایک تیز و تند نشے کی طرح چھا جاتا تھا۔ کیا عظیم باپؐ! اور کیسی عظیم بیٹیؓ! دو تین دن میں اپنے کمرے میں بند ہو کر دیوانوں کی طرح اس مصرعہ کی مجسم صورت بنا بیٹھا رہا۔ ؎ مجھ سے بہتر ذکر میرا ہے کہ اس محفل میں ہے!

اس کے بعد کچھ عرصہ تک مجھے خواب میں طرح طرح کی بزرگ صورت ہستیاں نظر آتی رہیں۔ جن کو نہ تو میں پہچانتا تھا۔ نہ ان کی باتیں سمجھ میں آتی تھیں اور نہ ہی ان کے ساتھ میرا دل بھیگتا تھا پھر ایک خواب میں مجھے ایک نہایت دلنواز اور صاحب جمال بزرگ نظر آئے جو احرام پہنے ایک عجیب سرور اور مستی کے عالم میں خانۂ کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ میرا دل بے اختیار ان کے قدموں میں بچھ گیا۔ وہ بھی مسکراتے ہوئے میری جانب آئے، اور مطاف سے باہر حطیم کی جانب ایک جگہ مجھے اپنے پاس بٹھا لیا۔ اور بولے، "میرا نام قطب الدین بختیار کاکی ہے۔ تم اس راہ کے آدمی تو نہیں ہو لیکن جس دربار گہربار سے تمہیں منظوری حاصل ہوئی ہے۔ اس کے سامنے ہم سب کا سرِ تسلیم خم ہے۔"

قطب الدین بختیار کاکیؒ صاحب نے ایک پیالہ ہمارے درمیان رکھا، جس میں کھانے یا پینے کی کوئی چیز پڑی تھی۔ انہوں نے اچانک فرمایا۔ "تم یہ زندگی چاہتے ہو یا وہ زندگی؟" خواب میں بھی میرے دل کا چور انگڑائی لے کر بیدار ہو گیا اور اس نے مجھے گمراہ کیا کہ

غالباً اس سوال میں فوری طور پر موت قبول کرنے کی دعوت ہے یعنی دنیاوی زندگی چاہتے ہو یا آخرت کی زندگی۔ مجھے ابھی زندہ رہنے کا لالچ تھا۔ اس لیے میں اپنے دل کے چور کی پیدا کی ہوئی بدگمانی کا شکار ہو گیا۔ "حضرت کچھ یہ زندگی چاہتا ہوں، کچھ وہ۔"

میرا یہ کہنا تھا کہ میرے بائیں پہلو کی جانب سے ایک کالے رنگ کا کتا سا چھپٹا ہوا آیا اور آتے ہی سامنے پڑے ہوئے پیالے میں منہ ڈال دیا۔

قطب صاحب مسکرائے اور بولے، "افسوس یہ صفت کی نعمت تمہارے مقدر میں نہیں تمہارا نفس تم پر بُری طرح غالب ہے اس لیے مجاہدہ کرنا ہوگا۔"

اس کے بعد کئی ماہ تک نہ کوئی خواب آیا اور نہ ہی کسی قسم کا واقعہ رونما ہوا۔ یہ تمام عرصہ میرے لیے ایک طرح سے عالم نزع کا سا زمانہ تھا۔ دل اور دماغ میں احساسِ محرومی کے پرنالے بہنے لگے۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میں سب کچھ حاصل کر کے اچانک سب کچھ کھو بیٹھا ہوں۔ بار بار خودکشی کرنے کا خیال آتا تھا۔ ایک بار نہر میں ڈوب کر خودکشی کا منصوبہ بھی بنا لیا۔ نہر میں چھلانگ لگانے کے لیے پُل کی منڈیر پر جا بیٹھا۔ غالباً جذبہ جھوٹا تھا اس لیے بیٹھے کا بیٹھا ہی رہ گیا۔ اور چند گھنٹے بعد زندہ سلامت گھر واپس آ گیا۔

اسی عالم یاس و اضطراب میں تین سوا تین ماہ گزر گئے۔ جو میرے باطنی وجود پر تین صدیاں کی طرح بھاری گزرے۔ اس کے بعد اچانک 9 جون کا مبارک دن طلوع ہوا۔ یہ دن میری زندگی کے دو یا تین اہم ترین ایام میں سے ہے۔ اس روز مجھے اچانک "نائنٹی" Ninety کا پہلا خط موصول ہوا۔ میں اسے فقط اسی کوڈ نام سے جانتا ہوں۔ میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا۔ اور نہ ہی مجھے یہ معلوم ہے کہ وہ کون ہے؟ کیا ہے؟ اور کہاں ہے؟ ہماری خط و کتابت بذریعہ ڈاک فقط ایک بار ہوئی ہے۔ صرف اس کا پہلا خط بذریعہ ڈاک آیا تھا۔ لفافے پر ڈاکخانے کی جو مہر لگی ہوئی تھی۔ وہ یوں تھی۔ "June 9, Jammu Market 9.30 a.m."

ڈاکیہ اسی روز دن کے ساڑھے بارہ بجے یہ خط ڈلیور کر گیا تھا۔ شہر کے پوسٹل نظام میں ایسا ممکن

ہی نہ تھا، کہ صبح ساڑھے نو بجے کا پوسٹ کیا ہوا خط اسی روز دوپہر کے ساڑھے بارہ بجے مل بھی جائے۔

تیرہ صفحات پر مشتمل اس خط میں میرے ظاہر اور باطن کی ایسی ایسی باریک ترین خامیوں، کوتاہیوں، خطاؤں اور کمزوریوں کو اس قدر تفصیل اور وضاحت سے بیان کیا گیا تھا، جن میں سے بعض کا علم مجھے اور صرف میرے خدا کے علاوہ اور کسی کو نہ تھا اور بعض کا مجھے خود بھی پورا علم نہ تھا یہ خط اس طرز کی فصیح و بلیغ اور دقیق انگریزی زبان میں لکھا ہوا تھا کہ اسے سمجھنے کے لیے مجھے بار بار ڈکشنری کا سہارا لینا پڑتا تھا۔ نصف خط اس تجزیے پر مشتمل تھا۔ اور باقی کا نصف احکامات ہدایات اور مستقبل کے لائحہ عمل سے پُر تھا۔ آخر میں لکھنے والے کے نام کی جگہ فقط یہ درج تھا۔

"A ninety years young fakir"

"یعنی ایک نوّے سالہ جوان فقیر"

اس خط میں ایک حکم یہ تھا کہ چند سوالات جو اس میں اٹھائے گئے تھے۔ ان کا مکمل جواب انگریزی میں لکھ کر اسے اپنی کتابوں والی الماری کے کسی خانے میں رکھ دوں۔ میں نے فوراً تعمیل حکم کر دی۔ چند لمحوں کے بعد الماری کے پٹ کھولے تو میرا لکھا ہوا خط وہاں سے غائب تھا۔ اس خط کا جو جواب آیا۔ وہ اسی شب میرے تکیے کے نیچے پڑا ہوا ملا۔ جواب کے آخر میں "ایک نوّے سالہ جوان فقیر" کی جگہ فقط ایک لفظ Ninety (نوّے) درج تھا۔

اس حیرتناک واقعہ سے میرے تن بدن پر شدید ہیبت اور گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ کچھ عرصہ تک مجھ پر نیم بے ہوشی کا سا عالم طاری رہا۔ میری بے بسی اور بےکسی پر ترس کھا کر "نائنٹی" نے آئندہ سے میرے چھوٹے بھائی حبیب اللہ شہاب کو بھی میرا رفیق کار بنا دیا۔ حبیب کی رفاقت میرے لیے سونے پہ سہاگہ ثابت ہوئی۔

اس کے بعد کم و بیش پچیس برس تک ہمارے درمیان اس عجیب و غریب خط و کتابت کا سلسلہ قریباً قریباً روزانہ جاری رہا۔ بعض اوقات ہمارے درمیان خطوط کی آمد و رفت دن

اور رات کے دوران دو دو، تین تین یا چار چار بار تک پہنچ جاتی تھی۔ حبیب ہمارا پوسٹ آفس تھا۔ ہمارا لیٹر بکس کبھی الماری ہوتی تھی، کبھی اپنی جیب، کبھی کوئی کتاب یا کاپی، یا کبھی یونہی سرِ راہ چلتے چلتے "نائنٹی" کے تحریر کردہ خطوط ہوا کے دوش پہ سوار پھولوں کی پتیوں کی طرح سر پہ آ ٹپکتے تھے۔

حکم تھا کہ اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہر تحریر کو جلد از جلد تلف کر دیا جائے۔ البتہ اتنی اجازت ضرور تھی کہ اس کے احکامات اور اس کی ہدایات کو اپنے طور پہ اپنے الفاظ میں اس طور پر بے شک محفوظ کروں کہ اگر یہ کاغذات کسی اور کے ہاتھ لگ جائیں، تو یہ سب باتیں محض پراگندہ خیالی اور بے معنی رطب و یابس نظر آئیں۔ فقط ایک بار چھوڑ کر میں اس حکم کو بھی پوری پوری پابندی سے بجا لاتا رہا۔

ایک روز میرے دل میں لالچ آیا کہ میں اپنے گمنام اور نادیدہ خضرِ راہ کا کم از کم ایک دستخط Ninety اس کے کسی خط سے پھاڑ کر نشانی اور برکت کے طور پہ اپنے پاس محفوظ کروں۔ یہ خیال آنا تھا کہ سزا کا تازیانہ فوراً نازل ہو گیا۔ رات کا وقت تھا۔ بجلی کے بلب کے ارد گرد چند پروانے منڈلا رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہاں پہ ایک کاغذ منڈلانے لگا۔ اور آہستہ آہستہ بل کھاتا ہوا نیچے میری گود میں آ گرا۔ اس میں تحریر تھا کہ حکم عدولی کا یہ منصوبہ فوری سزا کا مستحق ہے۔ سزا یہ تجویز ہوئی کہ بتیاں چند لمحوں کے بعد اپنے آپ گل ہو جائیں گی اور میرے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں نصف گھنٹہ تک ایک ایک زندہ سانپ سے باندھ کر رکھے جائیں گے۔ اس خوفناک سزا کا فیصلہ سن کر میں بے اختیار رو پڑا۔ میں نے جلدی جلدی اپنے ارادہ سے توبہ کی۔ دل کی گہرائیوں سے معافی مانگی اور غالب کا یہ شعر انگریزی ترجمہ کے ساتھ لکھ کر الماری میں رکھ دیا۔

حد چاہیے سزا میں عقوبت کے واسطے
آخر گنہگار ہوں کافر نہیں ہوں میں

دیکھتے ہی دیکھتے بجلی کے بلب کی جانب سے نائمنٹی کا جواب لہراتا ہوا میرے ہاتھ میں آیا جس میں تحریر تھا "ہا ہا" بس وہ زندہ سانپوں کے تصور سے ڈر گئے۔ بزدل ہو۔ چلو معاف کیا، لیکن یہ بات ہرگز نہ بھولو، کہ قبر میں دیگر حشرات الارض کے علاوہ زندہ سانپ بھی موجود ہوں گے۔ وہاں پر نہ توبہ کرنے کا وقت ہو گا۔ اور نہ ہی توبہ قبول ہو گی۔ او غافل بندے۔ تجھے کیا معلوم کہ دن رات تمہارے بدن اور باطن کے ساتھ کتنے خوفناک اژدہے زبانیں نکال کر لپٹے رہتے ہیں۔ اور وقت آنے پر زیر زمین کتنے اژدہے بے تابی سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ کاش کہ تم لوگ جانتے۔ نائمنٹی"

ایک روز میں نے اپنے رہنما سے دریافت کیا "آپ کون ہیں۔ کہاں ہیں، کیا کرتے ہیں؛ اور روحانیت کے کس مقام پر فائز ہیں؟"

جواب ملا "پہلے تین سوال فضول ہیں۔ ان کا جواب تمہیں کبھی نہیں ملے گا۔ باقی رہی روحانیت کے مقام کی بات۔ اس طویل راستے پر کہیں کہیں گھاٹیاں اور کہیں کہیں سنگ میل آتے ہیں اور گزر جاتے ہیں۔ منزل یا مقام کا کسی کو علم نہیں۔ اس سڑک پر سب راہی ہیں۔ کوئی آگے کوئی پیچھے۔ منزل صرف ایک بشر کو ملی ہے جس کے بعد اور کوئی مقام نہیں اس بشر کا نام محمدؐ ہے تم اس کا نام رٹتے تو بہت ہو لیکن کیا کبھی اس کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش بھی کی ہے؟ اگر ایسا کرتے تو آج ایک کچی دیوار پر گوبر کے اُپلے کی مانند چپاں نہ ہوتے جس پر مکھیاں تک بھنبھنانا چھوڑ دیتی ہیں"

یہی میرا سلسلۂ اولیسیہ تھا جس کی رہنمائی میں اس گنہگار نے راہ سلوک پر چند قدم ڈگمگانے کی سعادت حاصل کی۔ ڈگمگانے کا لفظ میں نے جان بوجھ کر استعمال کیا ہے۔ کیونکہ جہاں کہیں کسی باطنی نعمت کا پیالہ نزدیک آتا تھا، میرے نفس کا کالا چور فوراً دم ہلاتا ہوا جھپٹ کر اس میں منہ ڈال دیتا تھا۔ اس کوشش ناتمام کو بھی میں اپنی زندگی کا ایک اثاثہ ہی شمار کرتا ہوں۔ اس نے میرے بہت سے بل نکال دیئے۔ اور چند پیچ در پیچ تجربات سے

گزرکر زندگی کا رُخ کسی قدر بدل گیا۔ البتہ یہ حسرت ضرور باقی ہے کہ میں اس عظیم نعمت کا حق کبھی ادا نہیں کر پایا۔ بلکہ بعض اوقات تو کفرانِ نعمت تک نوبت آتی رہی ہے۔

زندگی کے اس طرح کے باطنی تجربات اور مشاہدات کو بیان کرنے کی سکت مجھ میں نہیں۔ البتہ مختصر طور پر ان کا تھوڑا سا ذکر کرتا ہوں۔ یہ موضوع میرے لیئے اجنبی ہے۔ اس لیئے اپنے بیان اور اظہار میں میں نے بزرگانِ سلف کی تصنیفات، مکتوبات، ملفوظات اور فرمودات کی زبان اور کلام سے بے دریغ استفادہ کیا ہے۔ تجربات اور مشاہدات میرے ہیں۔ ان کا اظہار حتی الوسع ان کے الفاظ میں ہے۔ تاکہ سہواً یا اپنی کم فہمی کی وجہ سے کوئی فاش غلطی نہ کر بیٹھوں۔

خاص طور پر یہ بات مجھ پر بالکل صاف اور واضح ہوگئی کہ سلوک یا تصوف میں کسی قسم کا کوئی راز یا اسرار پوشیدہ نہیں۔ اذکار، اشغال اور مراقبات وغیرہ کوئی ڈھکی چھپی باتیں نہیں بلکہ عام طور پر جانے پہچانے معمولات ہیں جو ہر سلسلے میں اپنے اپنے طریق پر اظہر من الشمس ہیں۔ البتہ اذکار، اشغال اور مراقبات کے دوران سالک پر جو کیفیات اور مشاہدات اپنی اپنی استعداد کے مطابق وارد ہوتے ہیں ان کا ذکر کرنا بے معنی اور فضول ہے۔ اس لیئے ان کا ذکر عام طور پر ممنوع قرار دیا جاتا ہے۔ اس کی مثال شادی کی ہے۔ شادی کوئی خفیہ راز نہیں۔ میاں بیوی کے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے کے مقاصد، عوامل اور عواقب سب پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتے ہیں۔ لیکن حجلۂ عروسی کی تفصیلی روئیداد کوئی بیان نہیں کرتا۔ اور نہ ہی زندگی بھر زن وشوہر کے خلوت خانوں کی داستانیں برسرِ عام سنائی جاتی ہیں۔

شریعت کی طرف مائل کرنے کے لیئے طریقت کا کنڈر گارٹن سکول لذت وسرور کے علاوہ بعض انتہائی خوشگوار اور پُرلطف انکشافات سے مالا مال ہوتا ہے۔ سالکوں کی ایک بڑی تعداد اس لذت وسرور کی مستی میں محو ہو کر یہیں کی ہو رہتی ہے۔ اور اپنے اصلی مقصد یعنی شریعت کی جانب قدم بڑھانے کی بجائے جمود کا شکار ہو کر اپنی منزل کھوٹی کر بیٹھتی ہے۔ یہ بدقسمت لوگ کہیں ڈبہ پیر بن کر ابھرتے ہیں۔ کہیں مصنوعی دکانیں سجا کر تصوف کی بلیک مارکیٹ کرتے ہیں۔ کہیں

طریقت کی آڑ میں شریعت کی خلاف ورزیاں کرتے ہیں۔ ان کی پیری فقیری جعلسازی کا گورکھ دھندا ہوتی ہے اور ان کا سارا کاروبار مداریوں اور بازیگروں کی طرح شعبدہ بازی کا کرتب بن جاتا ہے۔

جو لوگ اس راہ میں ان پرکشش اور پُرفریب گڑھوں میں منہ کے بل گرنے سے بچ جائیں ان کا انجام یہی ہوتا ہے کہ چلتے چلتے انجام کار ان کے قدم شریعت کی شاہراہ پر گامزن ہو جاتے ہیں۔ سلوک اور تصوف کا اس کے علاوہ اور کوئی مقصد ہے نہ مفہوم۔

راہِ سلوک میں ذکر کا درجہ سرفہرست ہے۔ حقیقتِ ذکر ایسی چیز کو یاد رکھنا ہے جو ظاہری اور باطنی گناہوں کو روک دے اور طاعات پر ہمت کو چست کر دے۔ اگر کسی کو جنت اور دوزخ کی یاد گناہوں سے روکے۔ اس کے لیے یہی ذکر اللہ ہے۔ جس کسی کو اَللّٰہ اَللّٰہ یا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ورد کرنا گناہوں سے روکے، اس کے واسطے یہی ذکر اللہ ہے۔ جس کو اشغال یا مراقبات معاصی سے روکیں۔ اور طاعات پر اکسائیں اس کے واسطے یہی ذکر اللہ ہے اگر کوئی شخص یہ سب کچھ تو دن رات کرتا رہے لیکن نہ تو گناہوں سے باز رہے اور نہ ہی طاعات اختیار کرے تو یہ ذکر اللہ حقیقی نہ ہوگا بلکہ محض ذکر کی صورت ہوگی۔

ذکر کی کوئی حد نہیں۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج سب کی حد ہے لیکن ذکر لامحدود ہے اَللّٰہ کے ذکر میں ایک عجیب توانائی، لطیف نشاط اور عمیق سکون ہے۔ عام طور پہ ذکر کی چار قسمیں ہیں جنہیں آسانی سے آزمایا جا سکتا ہے۔ اوّل ناسوتی جیسے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دوسرے ملکوتی جیسے اِلَّا اللّٰہُ، تیسرے جبروتی جیسے اَللّٰہُ، چوتھے لاہوتی جیسے ھُو ھُو۔ زبان کے ذکر کو ناسوتی، دِل کے ذکر کو ملکوتی، روح کے ذکر کو جبروتی اور سارے وجود کے اجتماعی ذکر کو لاہوتی کہتے ہیں۔

ذکر کی ان چار قسموں میں بھی ایک ایک قسم کے کئی کئی طریقے ہیں۔ جن طریقوں کی تھوڑی بہت مشق مجھے نصیب ہوئی۔ ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں۔

اسم ذات یعنی اَللّٰہُ اَللّٰہُ کا ذکر یک ضربی، دو ضربی، سہ ضربی اور چہار ضربی۔ اگر اس ذکر کو ہر ضرب میں اس تصور کے ساتھ کیا جائے کہ جدھر منہ پھیرو ادھر ہی خدا ہے۔ تو استغراق اور محویت کی کیفیت پیدا ہو کر ہر شئے سے ذکر کی آواز سنائی دینے لگتی ہے اور قرآن مجید کے اس فرمان کی کامل تصدیق ہو جاتی ہے کہ دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں جو خدا کی حمد کی تسبیح نہ کرتی ہو حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ معجزہ تھا کہ جب وہ خود ذکر کرتے تھے۔ تو پہاڑ اور طیور بھی ان کا ساتھ دیتے تھے۔

اسم ذات کا دوسرا ذکر پاس انفاس ہے۔ سانس باہر کرتے وقت لفظ اللّٰہ کو سانس میں لائے اور سانس کو لیتے وقت ھُوْ کو اندر لائے اور تصور کرے کہ ظاہر و باطن میں ہر جگہ اَللّٰہ ہی کا ظہور ہے۔ اس ذکر کی اس قدر غیر معمولی کثرت کرے کہ سانس ہمہ وقت ذکر کی عادی ہو جائے۔ اس طرح پاس انفاس سے بہرہ ور ہو کر قلب غیر اللہ سے صاف اور دیگر کدورتوں سے پاک ہو کر انوارِ الٰہیہ کا محور بن جاتا ہے۔

نفی و اثبات (لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ) کو پاس انفاس میں رچانا ایک خوشگوار عمل ہے سانس لیتے وقت صرف سانس سے اِلَّا اللّٰہُ کہے اور سانس باہر آتے وقت لَآ اِلٰہَ کہے منہ بالکل بند رکھے اور زبان کو ادنیٰ حرکت بھی نہ دے۔ اور اس قدر پابندی اور استقلال سے کام لے کہ سانس خود بخود بلا ارادہ ذکر کرنے لگے۔

اسی طرح جیسی نفی و اثبات اور ذکر اسم ذات کے بھی کئی طریقے ہیں۔ ان اذکار کے ساتھ کئی طرح کے اشغال بھی وابستہ ہیں۔ مثلاً شغل سُلطاناً نصیراً، شغل سلطاناً محموداً۔ شغل سلطان الاذکار، شغل سرمدی وغیرہ۔ ہر ذکر اور شغل میں لطف و انبساط کا اپنا اپنا رنگ ہے لیکن شغل سرمدی نے خاص طور پہ مجھے اپنے نشاط کی گرفت میں دبوچ لیا۔ اگر خدا کی مدد شامل حال نہ ہوتی۔ تو ممکن تھا کہ میں اسی شغل کی سرمستی و بے خودی میں منہمک ہو کر ساری زندگی اسی میں ضائع کر دیتا۔ اس شغل کی خصوصیت یہ تھی کہ شروع میں دماغ پہ پہاڑی جھرنے کی طرح پانی گرنے

کی آواز آنے لگی۔ پھر رفتہ رفتہ اس نے سمندر کی لہروں کے ایک بلند آہنگ اور مستانہ سازینے کا روپ دھار لیا۔ بجلی کی لہر کی طرح اس سازینے کی آواز تمام بدن میں سرایت کر کے گنبد کی طرح گونجنے لگی جسے اصطلاح صوفیہ میں صوت جرس و جس کہتے ہیں۔ اس آواز سے کبھی الہام کی شعاعیں پھوٹنے لگتی ہیں۔ کبھی اس میں عجیب و غریب عارفانہ علوم و رموز منکشف ہوتے ہیں۔ کبھی بجلی کی سی کڑک، گرج اور کوند ظاہر ہوتی ہے جس سے جسم کانپنے لگتا ہے۔ اور بے خودی اور محویت کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ کبھی چاند، سورج اور بجلی کی طرح روشنی کا سیلاب اُمڈ آتا ہے جسے سالک غلطی سے نورِ حق کی تجلی سمجھ بیٹھتا ہے۔ لیکن یہ نورِ ذات کی تجلی نہیں ہوتی بلکہ راہِ سلوک پر ایک دلفریب اور خوشنما رکاوٹ ہوتی ہے جو شخص یہاں پر آ کر اٹک گیا، وہ یقیناً منزلِ شریعت کی راہ سے بھٹک گیا۔ ان کیفیات پر میرا اپنا دل بھی بُری طرح لٹو ہو رہا تھا۔ لیکن خدا بھلا کرے میرے رہنما کا جس نے ایسی ڈانٹ پلائی کہ کانوں کے کیڑے جھڑ گئے۔ اور گردن سے پکڑ کر مجھے اس جنجال سے نکال باہر کیا۔

ذکر اور شغل کے بعد مراقبہ کی باری آتی ہے۔ مراقبہ کی اصطلاح رقیب کے لفظ سے نکلی ہے جسے نگہبان اور محافظ کہتے ہیں۔ مراقبہ بھی دل کو غیر اللہ کی یاد سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس آیت یا کلمہ کا مراقبہ منظور ہو، اس کو بار بار زبان سے دُہرائے اور دل کو دوسرے تمام خیالات سے خالی کر کے اس کے معانی میں اس قدر منہمک ہو جائے کہ دنیا و مافیہا سے بھی حتی الوسع بے خبر ہو جائے۔ بلکہ یہاں تک کہ اپنا بھی خیال دل سے نکل جائے۔ زمین و آسمان درہم برہم ہو کر غائب ہو جائیں اور صرف خدا کی ذات کو موجود اور باقی تصور کرے۔ جن آیات کا مراقبہ کرنے کی میں نے کسی قدر کوشش کی ہے۔ وہ یہ ہیں۔

(۱) اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ——— مراقبۂ نور

(اللہ زمین اور آسمان کا نور ہے)

(۲) اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ——— مراقبۂ رویت

(کیا وہ نہیں جانتا ہے کہ خدا دیکھتا ہے)

(۳) وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ ——— مراقبۂ معیت

(جہاں کہیں تم ہو خدا تمہارے ساتھ ہے)

(۴) وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ——— مراقبۂ اقربیت

(اور ہم انسان کے اسقدر قریب ہیں کہ اس کی رگ گردن سے بھی زیادہ)

(۵) وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ——— مراقبۂ قدرت

(خدا ہر چیز کو احاطہ کیے ہوئے ہے)

(۶) وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ——— مراقبۂ قدرت

(خدا ہر چیز پر قادر ہے)

(۷) وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ——— مراقبۂ رفاقت و حمایت

(اور اللہ تعالیٰ کافی رفیق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کافی حامی ہے)

(۸) وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ مراقبۂ غنا

(اور آپ کا رب بالکل غنی ہے۔ رحمت والا ہے)

بعض عوام بلکہ خواص تک اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ اللہ تعالیٰ محض غنی ہیں اور شاید بندوں کی مصلحت کی پروا نہیں فرماتے۔ یہاں پر ذُو الرَّحْمَةِ کی موجودگی سے اس غلط فہمی کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

(۹) وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا مراقبۂ علمیت

(میرا پروردگار ہر چیز کو اپنے علم میں گھیرے ہوئے ہے)

(۱۰) وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا مراقبۂ علمیت

(اور اللہ تعالیٰ کافی جاننے والا ہے)

(۱۱) وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيلًا ○ **مراقبۂ توکل**

(اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہے)

(۱۲) كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۚ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ
ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ○ **مراقبۂ فنا**

(دنیا میں جو کوئی ہے وہ ضرور فنا ہوگا۔ اور بزرگی اور بڑائی والا
خدا باقی رہے گا۔)

مراقبۂ فنا میں فنا کے بھی پانچ درجے ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ ذکرِ جسمی کے غلبہ کی وجہ سے نفسِ لوامہ کے بُرے اخلاق ان اوصافِ حمیدہ میں فنا ہو جاتے ہیں جن کا شرع نے حکم دیا ہے دوسرے درجہ میں ذکرِ فکری کے غلبہ سے نفسِ لوامہ کی تمام امکانی خواہشیں احکامِ شرع کی پابندی میں فنا ہو جاتی ہیں۔ تیسرا درجہ ذکرِ قلبی کا غلبہ ہے جس کی وجہ سے تمام موجودات کے اوصاف اور افعال اللہ یعنی موجودِ مطلق کے اوصاف اور افعال میں فنا ہو کر نفسِ مطمئنہ کو جنم دیتے ہیں۔ اس کے بعد مشاہدہ، معائنہ اور فناء الفنا کے درجات ہیں جن کے بارے میں مجھے زیادہ سمجھ نہیں۔

ان مراقبوں میں مراقبۂ موت کا رنگ سب سے الگ ہے۔ اس مراقبہ کی اصل یہ آیت ہے: كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ط (ہر جان کو موت کا مزا چکھنا ہے)۔ اس مراقبہ میں پوری دُھن، دھیان اور لگن کے ساتھ اپنے سارے وجود کو مکمل طور پر موت کی آغوش میں اس طرح تصور کرنا ہے جو کیفیت کہ اصلی موت کے وقت وقوع پذیر ہو گی۔ شروع شروع میں مجھے اس تصور سے بے حد وحشت ہوتی تھی اور موت کے خوف سے میرے رونگٹے رونگٹے پر کپکپی طاری ہو کر ڈر کے مارے گھگھی بندھ جاتی تھی۔ لیکن میرے رہنما کی مشفقانہ ڈانٹ ڈپٹ نے مجھے مسلسل اس مراقبے میں جوتے رکھا۔ پہلے تھوڑا سا خوف و ہراس کم ہوا۔ پھر کسی قدر سکون میں ثبات آیا۔ رفتہ رفتہ موت کے ساتھ محبت تو پیدا نہ ہو سکی۔ البتہ اس کا خوف

بڑی حد تک جاتا رہا۔ کبھی کبھار واردات عجیبہ اور کیفیات غریبہ بھی محسوس ہو جاتی تھیں۔ یہ طرفہ تماشا ہے کہ موت کے خوف کی جگہ اگر اس کے ساتھ کسی قدر لگاؤ اور تعلق پیدا ہو جائے تو زندہ رہنے کا عمل بڑا شگفتہ اور سہل ہو جاتا ہے۔

ایک رات میں اپنے بستر پر لیٹا ہوا مراقبہ موت کی مشق کر رہا تھا۔ اچانک مجھے محسوس ہوا کہ میرا جسم فوم کے گدے اور چارپائی کی ٹھوس لکڑی سے گزر کر نیچے فرش کے ساتھ جا لگا ہے۔ میں نے گھبرا کر اٹھ کر دیکھا تو چارپائی پر میرا اپنا وجود بھی بدستور لیٹا پڑا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ چارپائی کے اوپر جسم عنصری تھا اور پلنگ کی تہہ سے گزر کر نیچے جانیوالا جسم مثالی یعنی (Astral Body) تھا۔ یہ بھی خطرے کی گھنٹی تھی کیونکہ اگر انسان اسی مشق میں ضرورت سے زیادہ مہارت حاصل کرے تو طرح طرح کی شعبدہ بازی اختیار کر کے دنیاداری کی دکان کھول سکتا ہے۔ چنانچہ مجھے دھکا دے کر یہاں سے بھی نکال دیا گیا۔

موت کا خوف اگر اعصاب پر طاری رہے تو انسانی کردار میں بے حد کمزوری آجاتی ہے مثلاً ہندوستان میں شاہی زمانہ کے آخری دور میں لال قلعہ دہلی کے ایک دروازہ کا نام خضری دروازہ رکھا گیا تھا۔ جس سے جنازہ گزرتا تھا گویا موت کے نام سے بھی دہشت تھی۔ اسی طرح بعض شہزادوں نے قرآن حکیم کی جلدوں سے سورہ یٰسین نکال کر مسجدوں میں رکھوا دی تھی کیونکہ سورہ یٰسین کی تلاوت کا تعلق زندگی کے آخری لمحات کے ساتھ عام ہے۔ مراقبہ موت کی مشق اس قسم کے مضحکہ خیز خوف وہراس سے ضرور نجات دلا دیتی ہے۔

ان کے علاوہ توحید افعالی، توحید صفاتی اور توحید ذاتی کے مراقبات بھی ہیں۔ جن کی تفصیل پیچیدہ ہے اور میری سمجھ سے باہر ہے۔ مراقبوں کا دور بھی بڑا دلفریب اور پرکشش ہوتا ہے۔ اس میں بیمار کی شفا، ارواح اور ملائکہ کے کشف، کشف القبور، حاجت براری، ماضی، حال اور کسی قدر مستقبل کے حالات سے باخبری وغیرہ کے ایسے ایسے تصرفات اور

تجربات سے شناسائی ہوتی ہے کہ بیت سے بد قسمت لوگ یہیں پہ اپنا ڈیرہ بسا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ مجھے حکم دیا گیا کہ تم ان عجائبات پر صرف ایک سرسری سی نظر ڈال کر اپنی آنکھوں پر پٹی باندھو اور جلد از جلد اس خطرناک گھاٹی سے گزر جاؤ۔

ذکر اذکار کے بیان سے گزرا، تو آگے لطائف ستہ کی منزل آگئی۔ انسان کے جسم میں انوار اور برکتوں والی چھ جگہیں ہیں، جنہیں لطائف کہا جاتا ہے۔ اوّل لطیفۂ قلبی، دوسرے لطیفۂ روحی تیسرے لطیفۂ نفس، چوتھے لطیفۂ سری، پانچویں لطیفۂ خفی، چھٹے لطیفۂ اخفیٰ۔

لطائف کو جاری کرنا بڑی کٹھن لیکن دلکش مشق ہے۔ سب سے پہلے ایک ایک لطیفہ کو باری باری اسم ذات (اللّٰہ) کے ذکر میں اس قدر محو کر دیا جائے کہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے ہر حالت میں وہ ہمہ وقت اسی ذکر میں مشغول رہے اور لمحہ بھر کے لیے بھی اس سے غافل نہ ہو۔ جب چھ کے چھ لطائف بلا تکلف اس طرح جاری ہو جائیں، تو پھر اسم ذات (اللّٰہ) کے سائے میں اسم صفات کے ہزاروں رنگ اور ہزاروں عجائبات مشاہدہ کرنے کا موقع نصیب ہوتا ہے۔ اسے سیر الاسماء کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ایک ایک صفت اس قدر بے پایاں اور بیکراں ہے کہ اس کے ننانوے صفاتی ناموں کا احاطہ کرنا قطعی طور پہ ناممکن ہے۔ سوائے شبِ معراج کے جو صرف خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حصے میں آئی۔ عام انسانوں کے لیے سیر الاسماء کا حصہ ان کے اپنے اپنے مقدر اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق ملتا ہے۔ میرا شمار تو عام انسانوں سے بھی نیچے ہے۔ اس لیے میں نے اس نعمت کا جلوہ صرف دُور ہی دُور سے دیکھا ہے۔ اس سے زیادہ کی تاب بھی تو نہیں۔

طریقت میں ذکر، شغل، مراقبہ، لطائف کا جاری ہونا اور سیر الاسماء وغیرہ سب محمود اعمال ہیں، لیکن وہ بذات خود عبادت کے طور پہ مقصود نہیں ہیں۔ کنڈر گارٹن سکولوں کی طرح وہ نئے نئے دلکش، دلفریب اور دلنواز طریقوں سے طالبین کو شریعت کی جانب مائل کرنے کا مقصد پورا کرتے ہیں۔ جو تصوف یہ مقصد پورا نہیں کرتا، وہ باطل ہے۔ خواہ اس کا عامل ہوا

میں اڑتا پھرے یا پانی پر چل کر بھی دکھا دے۔ ہوا میں تو مکھی بھی اڑتی ہے اور پانی پر تنکا بھی تیرتا ہے۔ اس کے لیے بڑا صوفی ہونے کی شرط لازم نہیں!

ذکر کے انوار، شغل کی رنگینیاں، مراقبے کی بوقلمونیاں، لطائف کی پھلجھڑیاں اور سیر الاسماء کے عجائبات و تجلیات سے گزر کر جب انسان شریعت کی سیدھی، سادہ اور خشک راہ پر گامزن ہوتا ہے تو یہی اس کی نیت کا پھل اور سب سے بڑا انعام ہے۔ اس سیدھی سادہ اور خشک راہ پر ہزاروں تجلیات اور رنگینیاں قربان ہیں۔ اس راہ پہ قدم رکھنے کے بعد انسان گزرے ہوئے انوار و تجلیات و عجائبات کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا جس طرح بی اے یا ایم اے پاس کرنے کے بعد کوئی طالب علم اپنی پرائمری کلاس کی کتابوں کو دوبارہ ہاتھ تک نہیں لگاتا!

اپنے بارے میں مجھے افسوس ہے کہ میں کنڈر گارٹن کی پرائمری کلاس سے تھوڑا بہت گزرا تو سہی، اور شریعت کی راہ پر بھی کسی قدر گامزن بھی ہوا لیکن رفتار بڑی سست رہی۔ بار بار خیال آتا ہے کہ عمر طبعی کو پہنچ گیا ہوں لیکن گوہر مقصود ہاتھ نہیں آیا۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کا فرمان ہے کہ اس راہ پر چلتے رہنا ہی بذات خود ایک گوہر مقصود ہے۔ اس راہ کی کوئی انتہا نہیں۔ اس راہ کی آخری منزل سدرۃ المنتہیٰ ہے جس کے قریب جنت الماویٰ ہے۔ وہاں تک رسائی صرف خیر البشر صلے اللہ علیہ وسلم کو ہوئی ہے۔ باقی سارے امتی شاہراہ شریعت کے مسافر ہیں جس پر طرح طرح کی منزلوں کے سنگ میل نصب ہیں۔ سورۃ النساء کی آیت ۶۹ کے مطابق یہ منزلیں صدیقین، شہداء اور صالحین کی ہیں۔ انبیاء کا اپنا مقام الگ ہے۔

صالحین کے زمرے میں غوث، قطب، اخیار، اوتاد، ابدال اور اولیاء وغیرہ کا شمار ہے۔ باطنی مقامات کے ان مراتب میں ولایت عامہ ہر مومن کو حاصل ہے۔ پارہ ۲۲ میں سورۃ فاطر کی آیت ۳۲ میں ارشاد ہے۔ "پھر یہ کتاب (قرآن) ہم نے ان لوگوں کے ہاتھوں

میں پہنچائی جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے پسند فرمایا۔ پھر بعضے تو ان میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔ اور بعضے ان میں متوسط درجے کے ہیں اور بعضے ان میں وہ ہیں جو خدا کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کیے جاتے ہیں۔ یہ بڑا فضل ہے۔"

اس آیت میں ان مومنین کا ذکر ہے جن کو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے پسند فرماتے ہیں ایک تو وہ لوگ ہیں جو صاحب ایمان تو ہیں لیکن صاحب عمل نہیں۔ بلکہ اکثر ایسے اعمال کے مرتکب ہوتے ہیں جن سے وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ لیکن اس وجہ سے وہ اللہ کے پسندیدہ بندوں کی فہرست سے خارج نہیں ہو جاتے بلکہ اپنے ایمان کی وجہ سے اللہ کے پسندیدہ بندے ہی رہتے ہیں۔ اسی لیے باور کیا جاتا ہے کہ ہر مومن کو ولایت عامہ حاصل ہے۔

ان کے علاوہ اللہ تعالےٰ کے پسندیدہ لوگوں میں وہ حضرات ہیں جو صاحب ایمان بھی ہیں اور صاحب عمل بھی۔ وہ اپنی اپنی استعداد اور خدا کی عطا فرمائی ہوئی توفیق کے مطابق نیکیاں کر کے مختلف درجات تک ترقی حاصل کرتے ہیں۔ کوئی متوسط درجہ تک ترقی کرتا ہے۔ کوئی اس سے آگے۔ کوئی اس سے بھی آگے۔ ترقی کی کوئی انتہا نہیں۔ دنیاوی اصطلاح میں یہ ایک طرح کے گریڈ ہیں۔ ترقی پا کر کوئی ابدال کا گریڈ حاصل کرتا ہے۔ کوئی اوتاد کا، کوئی اخیار کا، کوئی قطب کا، کوئی غوث کا۔ کوئی شہید کا اور کوئی صدیق کا۔ انبیاء سے نیچے صدیقیت کا درجہ سب سے بلند ہے۔ اسلام کی تاریخ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ صدیق کا لقب اور کسی کے لیے ثابت نہیں۔

ولایت عامہ کے لوگوں کو جو ایمان تو رکھتے ہیں لیکن نیک اعمال سے محروم ہیں، اس درجہ بندی میں گریڈوں کی سب سے نچلی سطح پر شمار کرنا چاہیے۔ یہی لوگ اگر نیک اعمال، مجاہدہ اور ریاضت کی توفیق پا کر اپنے گریڈ میں ترقی پاتے جائیں تو انہیں ولایت خاصہ عطا ہوتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں وہ اولیاء کہلاتے ہیں جن کی تعداد کسی کو معلوم نہیں اور نہ ہی وہ لازمی طور پر ایک دوسرے کے متعلق واقفیت رکھتے ہیں۔

مومنین کی ولایت عامہ کے بارے میں ستائیسویں پارہ میں سورۃ الحدید کی آیت نمبر ۱۹ بھی قابل غور ہے۔ جس میں ارشاد ہے، " اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں ایسے ہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں۔ ان کے لیے ان کا اجر اور ان کا نور ہوگا۔"

مومنین کو مطلقاً صدیق اور شہید فرمانے سے یہ ظاہر ہے کہ ان میں بھی مختلف مراتب اور درجات ہیں۔ ادنیٰ مرتبہ ہر مومن کو عام ہے جیسے ولایت عامہ ہر مومن کو حاصل ہے۔

توفیق کسے کہتے ہیں اور یہ کس طرح حاصل ہوتی ہے؟ یہ سوال کافی عرصہ تک میرے ذہن میں پریشانی اور الجھاؤ کا باعث بنا رہا۔ رفتہ رفتہ قرآن حکیم کی گیارہ مختلف آیات نے کچھ راستہ دکھا کر اس الجھن سے نجات دلائی۔ وہ آیات یہ ہیں:

۱۔ پارہ ۴ میں سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۱۰۱: " اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو مضبوط پکڑتا ہے تو ضرور راہ راست کی ہدایت کیا جاتا ہے۔"

اس میں اس بات کی گارنٹی ہے۔ کہ جو شخص نیک نیتی اور یکسوئی سے اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع ہو جائے تو یقیناً اسے راہ راست پر ثابت قدمی سے گامزن رہنے کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے

۲۔ پارہ ۵ میں سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۳۷: " بلاشبہ جو شخص مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے۔ پھر مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے۔ پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ ایسوں کو ہرگز نہ بخشیں گے اور نہ ان کو رستہ دکھائیں گے۔"

اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر خلوص کے ساتھ ایمان لا کر اس پر قائم رہیں تب بھی مقبول نہیں۔ بلکہ اس نفی کا مقصد یہ ہے کہ بار بار کفر اختیار کرنے سے اور اس پر اصرار کرنے سے عادتاً قلب مسخ ہو جاتا ہے جس کے بعد اکثر ایمان کی توفیق نہیں ہوتی۔ اور ہدایت کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔

۳۔ پارہ ۶ میں سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۱۶: " کہ اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کو جو کہ رضائے حق کے طالب ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتے ہیں۔ اور ان

کو اپنی توفیق سے تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آتے ہیں اور ان کو راہِ راست پر قائم رکھتے ہیں۔"

یہاں پر توفیق کا دارومدار اس بات پر ہے کہ انسان رضائے الٰہی کا طالب ہو۔ اگر اس کی نیت اور عمل رضائے حق کے حصول کے لیے مخصوص ہوں، تو اسے تاریکی سے نکل نور کی طرف آنے اور راہِ راست پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا ہوتی ہے۔

۴۔ پارہ ۶ میں سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۷۱: " اور یہی گمان کیا کہ کچھ سزا نہ ہوگی اس سے اور بھی اندھے اور بہرے بن گئے۔"

اس میں یہ دلیل ہے کہ اگر انسان بار بار گناہوں میں مبتلا ہو کر توبہ کرنے کی بجائے اسی خام خیالی میں مبتلا رہے کہ ان بداعمالیوں کی اسے کوئی سزا نہ ملے گی۔ تو اس سے نیکی کی استعداد معطل اور توفیق بند ہو جاتی ہے۔

۵۔ پارہ دس میں سورۃ الانفال کی آیت نمبر ۵۳: " یہ بات اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی نعمت کو جو کسی قوم کو عطا فرمائی ہو نہیں بدلتے جب تک وہی لوگ اپنے ذاتی اعمال نہیں بدل ڈالتے......."

انفرادی سطح پر توفیق الٰہی بھی ایک عظیم نعمت ہے۔ اگر کسی شخص سے گناہ صادر ہوتے رہیں اور طاعات ترک ہوتی رہیں تو اس سے انوار و برکات منقطع ہو جاتے ہیں اور توفیق سلب ہو جاتی ہے۔

۶۔ پارہ ۱۳ میں سورۃ الرعد کی آیت نمبر ۱۱: "...... واقعی اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت میں تغیر نہیں کرتا جب تک وہ لوگ خود اپنی حالت کو نہیں بدل دیتے۔"

انفرادی سطح پر توفیق کے بارے میں اس کا بھی وہی مطلب ہے جو اوپر ۵ میں درج ہو چکا ہے۔

۷۔ پارہ ۱۲ میں سورۃ ھود کی آیت نمبر ۱۱۴: "اور آپ نماز کی پابندی رکھیے۔ دن

کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ حصوں میں۔ بے شک نیک کام مٹا دیتے ہیں برے کاموں کو۔ یہ بات ایک نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لیے۔"

اس میں یہ اصول ہے کہ اطاعت کے انوار سے گناہوں کی ظلمت دور ہو جاتی ہے۔ اطاعت کا غلبہ جس قدر بڑھیگا، گناہگاری کا رجحان اسی قدر کمزور ہوگا۔ اس سے بھی توفیق کی راہ کشادہ ہوتی ہے۔"

۸- پارہ ۲۱ میں سورۃ العنکبوت کی آیت نمبر ۶۹ "اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے رستے ضرور دکھادیں گے اور بے شک اللہ تعالیٰ ایسے خلوص والوں کے ساتھ ہے۔"

اس میں ثابت ہے کہ اگر خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشقت برداشت کی جائے، تو راہ ہدایت کے مشاہدے کی توفیق عطا ہونا ایک یقینی امر ہے۔

۹- پارہ ۲۵ میں سورۃ الشوریٰ کی آیت نمبر ۱۳: "اللہ ہی اپنی طرف جس کو چاہے کھینچ لیتا ہے۔ اور جو شخص رجوع کرے اس کو اپنے تک رسائی دے دیتا ہے۔"

اس میں انسان کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی شرط ہے۔ جونہی یہ شرط پوری ہو جائے اسے اللہ کے قرب کی جانب ترقی حاصل کرنے کی توفیق عطا ہو جاتی ہے۔"

۱۰- پارہ ۲۸ میں سورۃ الطلاق کی آیت نمبر ۲، ۳: "اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور جو شخص اللہ پر توکل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہے......"

اللہ کا خوف خشوع کا باعث ہوتا ہے۔ خشوع سے عبادت آسان ہو جاتی

ہے۔ اور رسوخ کا درجہ پا کر ایسے اعمالِ صالحہ کی توفیق نصیب ہوتی ہے جس سے اللہ تعالےٰ اس کی نجات کی راہ نکال دیتا ہے۔ اسی آیت میں توکل کا ذکر بھی ہے۔ جس کا تفصیلی بیان الگ کیا جائے گا۔"

۱۱۔ پارہ ۲۸ میں سورۃ الطلاق کی آیت نمبر ۶۵: "اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے ہر کام میں آسانی پیدا کر دے گا۔"

اوپر والی آیت کی طرح یہاں بھی خوفِ خدا سے خشوع اور رسوخ پا کر ایسے اعمال کی توفیق عطا ہوتی ہے جن میں آسانی اور سہولت کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔

ان تمام آیات پر مجموعی طور پر غور و فکر کرنے سے میرے ذہن میں یہ بات صاف ہو گئی کہ توفیق کا دار و مدار انسان کے اپنے اعمال پر ہے۔ ان اعمال کا مختصراً ذکر مندرجہ بالا آیات میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت میں پہل کرنا ہر انسان کا اپنا انفرادی فرض ہے۔ اگر نیت میں خلوص اور ثبات ہو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت خود آگے بڑھ کر اسے سنبھال لیتی ہے۔ ہر اطاعت کے اپنے اپنے انوار و برکات ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر اطاعت سے دوسری اطاعت کا سلسلہ چلا کرتا ہے۔ اور اس میں ایسا سامان جمع ہونے لگتا ہے جس کو توفیق کہتے ہیں عبادت اور اطاعت سے جس طرح توفیق حاصل ہوتی ہے۔ نافرمانی اور گناہگاری میں مشغول ہونے سے اسی طرح بند بھی ہو جاتی ہے۔

توفیق کے علاوہ مجھے تقویٰ، توکل اور توبہ کے بارے میں بھی کافی خلجان تھا۔ میں نے کہیں پڑھا تھا کہ قرآن کو سمجھنے کے لیے ذوقِ سلیم، فہمِ سلیم، وسعتِ نظر اور نورِ فہم کی ضرورت ہے۔ اور وہ پیدا ہوتا ہے تقویٰ سے۔ لیکن تقویٰ سے کیا مراد ہے؟ اور تقویٰ کیسے حاصل کیا جاتا ہے؟ ابتدا

میں ان امور کے بارے میں میرا دماغ بالکل کورا تھا۔

قرآن حکیم میں متقی کی تصریح اور تعریف ان الفاظ میں اجاگر کی گئی ہے۔

(۱) "کچھ سارا کمال اسی میں نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کو کر لو یا مغرب کو۔ لیکن کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالےٰ پر یقین رکھے۔ اور قیامت کے دن پہ اور فرشتوں پر اور کتب پہ اور پیغمبروں پر اور مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور گردن چھڑانے میں اور نماز کی پابندی رکھتا ہو اور زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو اور جو اشخاص اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں جب عہد کریں اور وہ لوگ مستقل رہنے والے ہوں تنگدستی میں اور بیماری میں اور جہاد میں یہ لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی لوگ ہیں جو متقی ہیں۔"

(پارہ ۲۔ البقرہ۔ آیت ۱۷۷)

(۲) تقوٰی کی اس بھرپور وضاحت کے علاوہ قرآن پاک ہی میں یہ بھی ارشاد ہے۔

"..... عدل کیا کرو کہ وہ تقوٰی سے زیادہ قریب ہے ......"

(پارہ ۶۔ المائدہ۔ آیت ۸)

۳۔ "اے اولاد آدم کی ہم نے تمہارے لیے لباس پیدا کیا جو کہ تمہارے پردہ دار بدن کو بھی چھپاتا ہے اور موجب زینت بھی ہے۔ اور تقوٰی کا لباس یہ اس سے بڑھ کر ہے۔ یہ اللہ تعالےٰ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ یہ لوگ یاد رکھیں۔"

(پارہ ۸۔ سورۃ الاعراف۔ آیت ۲۶)

ظاہری لباس کے علاوہ ایک معنوی لباس بھی ہے۔ وہ تقوٰی (پرہیزگاری) کا لباس ہے۔ جو ظاہری لباس سے بڑھ کر ضروری ہے جس طرح ظاہری لباس پردہ دار بدن کو چھپاتا اور زینت دیتا ہے۔ اسی طرح تقوٰی کا لباس بھی رذائل کو ڈھانپتا اور خصائل کو مزین کرتا ہے۔

(۴) "..... جو شخص دینِ خداوندی کی ان یادگاروں کا پورا لحاظ رکھے گا تو ان کا یہ لحاظ رکھنا دل کے ساتھ ڈرنے سے ہوتا ہے۔"

(پارہ ۱۷۔ سورۃ الحج۔ آیت ۳۲)

اس سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ متقی ہونے کے لئے محض طبعی خوف کافی نہیں بلکہ اصل محل تقویٰ کا قلب ہے۔

(۵) " یہ عالمِ آخرت ہم ان ہی لوگوں کے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا۔ اور نیک نتیجہ متقی لوگوں کو ملتا ہے۔"

(پارہ ۲۰۔ سورۃ القصص۔ آیۃ ۸۳)

یہاں پر متقی کا نقشہ یہ ہے کہ وہ نہ تکبر کرتے ہیں جو معصیتِ نفسانیہ ہے اور نہ کوئی ایسے ظاہری گناہ کرتے ہیں جن سے معاشرے میں بدامنی اور فساد کا اندیشہ ہو۔

(۶) " اور جو لوگ سچی بات لے کر آئے اور اس کو سچ جانا تو یہ لوگ متقی ہیں۔"

(پارہ ۲۴۔ سورۃ الزمر۔ آیت ۳۳)

یہاں پر متقی کی خصوصیات یہ ہیں کہ وہ صادق بھی ہیں اور مصدق بھی۔ خود بھی سچے ہیں، اور سچ کی تصدیق بھی کرتے ہیں۔

(۷) قرآن حکیم میں متقیوں کی جملہ خصوصیات اور عادات واطوار کی تفصیلات پڑھ کر میرے دل سے ان نام نہاد متقیوں کا خوف اُٹھ گیا جو اپنے زہد اور پرہیزگاری کی ڈانگ اٹھائے جگہ جگہ منڈلاتے نظر آتے ہیں۔ اور خشونت آمیز انداز سے پھنکار پھنکار کر اللہ تعالےٰ کی کمزور مخلوق پر سبّ طعن اور تشنیع و توہین کے کوڑے برسانے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے یہ سب قابلِ رحم حضرات ہیں۔ متقی تو صاحبِ جمال لوگ ہیں۔ نیک چلن، پاکباز، ایمان دار، سخی، عادل، صادق، نرم دل غیظ و غضب اور دوسری نفسانی خواہشات کو ضبط میں رکھنے

پر قادر، تکبر سے پاک اور فساد، عیب جوئی، بدامنی اور تضحیک و توہین کا مرتکب ہونے سے بے نیاز۔ ان کا ظاہری لباس بھی خوب صورت اور دیدہ زیب ہوتا ہے اور ان کا باطنی لباس اس سے بھی زیادہ خوش جمال اور باعثِ زینت ہوتا ہے۔ اس لباس کا نام تقویٰ ہے۔ ان کا ظاہر ڈنکے کی چوٹ پکار پکار کر ان کے متقی ہونے کا اعلان نہیں کرتا۔ اور اگر ان کے باطن میں کسی طرح یہ خیال سما جائے کہ وہ صاحب تقویٰ ہیں تو ان کے تقویٰ کا لباس تار تار ہو کر انہیں تکبر کے خار زار میں برہنہ چھوڑ دیتا ہے۔ یہ ایک دو دھاری تلوار ہے۔ اس کی زد سے زندہ سلامت بچ کر وہی خوش نصیب نکلتے ہیں جن کا تقویٰ صرف اور صرف اللہ کی رضا کی خاطر اختیار کیا جاتا ہے۔

حد سے زیادہ تجاوز کرنا کسی چیز میں بھی پسندیدہ نہیں۔ حتیٰ کہ تقویٰ میں بھی نہیں جیسے کوئی شخص گیہوں کا ایک گرا ہوا دانہ اٹھا کر دکھاتا پھرے کہ اس کا مالک کون ہے؟ اس کو زہد خشک اور زہد بارد کہتے ہیں۔ اور درحقیقت اس میں اپنے تقویٰ اور دینداری کا نمائشی اعلان ہوا کرتا ہے۔

تقویٰ کے علاوہ توکل کا مطلب بھی میرے ذہن میں بڑا مبہم اور اُلجھا ہوا تھا۔ رفتہ رفتہ قرآن حکیم کی جن آیات نے اس سلسلے میں میری رہنمائی فرمائی، وہ یہ ہیں:۔

(۱) پارہ ۴۔ سورہ آلِ عمران کی آیت نمبر ۱۶۰: "اگر حق تعالیٰ تمہارا ساتھ دیں تب تو تم سے کوئی جیت نہیں سکتا۔ اور اگر تمہارا ساتھ نہ دیں تو اس کے بعد کون ہے جو تمہارا ساتھ دے۔ اور صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان والوں کو اعتماد رکھنا چاہیے۔"

اس سے ظاہر ہے اللہ پر توکل رکھنا ایمان کا ایک جزو ہے۔

(۲) پارہ ۹، سورۃ الانفال کی آیت نمبر ۲ اور ۳: "بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالےٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں۔ اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور تازہ کر دیتی ہیں۔ اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ جو کہ نماز کی پابندی کرتے

ہیں۔ اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔"

یہ آیات جامع ہیں ایمان کامل کی۔ ان میں جن اوصاف کا ذکر ہے، ان سب کو جمع کر کے ہی ایمان مکمل ہوتا ہے۔ ان اوصاف میں توکل بھی شامل ہے چنانچہ اس سے ظاہر ہے کہ توکل اختیار کیے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی۔

(۳) پارہ دس میں سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ۵۱: "آپ فرما دیجئے کہ ہم پر کوئی حادثہ نہیں پڑ سکتا مگر وہی جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے مقدر فرمایا ہے۔ وہ ہمارا مالک ہے اور سب مسلمانوں کو تو اپنے سب کام اللہ کے سپرد رکھنے چاہییں۔"

اس آیت کے پہلے حصے میں ایسے مضمون کا مراقبہ ہے جو توکل کو سہل کر دے اور اس کے بعد توکل اختیار کرنے کا صحیح حکم ہے۔

(۴) پارہ ۱۱ میں سورہ یونس کی آیات نمبر ۸۴ اور ۸۵: "انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا۔ اے ہمارے پروردگار ہم کو ان ظالموں کا تختۂ مشق نہ بنا۔ اور ہم کو اپنی رحمت کا صدقہ ان کافر لوگوں سے نجات دے۔"

ان آیات میں توکل اور دعا دونوں بیک وقت موجود ہیں۔ اس سے یہ وہم یا شک دور ہو جاتا ہے کہ توکل دعا کے منافی نہیں۔ کیونکہ توکل کا حاصل تو یہ ہے کہ اسباب عادیہ کو اختیار تو بے شک کرے، لیکن ان پر تکیہ نہ کرے۔ بلکہ اصلی تکیہ صرف مسبب حقیقی پر ہی رکھتے۔ اگر اس اعتقاد کے ساتھ اسباب کو اختیار کیا جائے تو توکل میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ دعا کا شمار تو اسباب غیر عادیہ میں ہے۔ اس لیے دعا کے ساتھ بھی توکل بدستور باقی رہے گا۔

(۵) پارہ ۱۲ میں سورہ ہود کی آیت نمبر ۶: "اور کوئی جاندار روئے زمین پر چلنے والا

ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمّے نہ ہو۔ اور وہ ہر ایک کی زیادہ رہنے کی جگہ کو اور چند روزہ رہنے کی جگہ کو جانتا ہے۔ سب چیزیں کتاب مبین میں ہیں"۔

اس میں رزق کے بارے میں توکل کی ترغیب عظیم ہے۔ اگر اسباب کو اس اعتقاد کے ساتھ اختیار کرے کہ اللہ تعالیٰ مسبب ہے، اور یہ اعتقاد نہ ہو کہ اسباب کے بغیر رزق حاصل نہیں ہوتا تو یہ توکل کے منافی نہیں۔ دل کا یقین اور ربط اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونا چاہیے۔

(۶) پارہ ۱۲ میں سورۃ ہود کی آیت نمبر ۸۸: "شعیبؑ نے فرمایا، میں تو اصلاح چاہتا ہوں جہاں تک میرے امکان میں ہے۔ اور مجھ کو جو کچھ توفیق ہو جاتی ہے۔ صرف اللہ کی مدد سے ہے۔ اسی پر میں بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔"

اس میں دلیل ہے کہ خلوص کے ساتھ کسی کام (مثلاً اصلاح) میں کوشش بھی کرے اور اس کوشش میں توکل بھی کرے۔ نہ توکل کی وجہ سے کوشش چھوڑ دے اور نہ صرف کوشش پر بھروسہ کرے۔

(۷) پارہ ۱۹ میں سورۃ الفرقان کی آیت نمبر ۵۸: "اور اس حی لایموت پر توکل رکھیے اور اس کی تسبیح و تحمید میں لگے رہیے۔ اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار ہے۔"

اس میں یہ اشارہ ہے کہ توکل اختیار کرنے سے تسبیح و تحمید اور گناہوں سے توبہ کرنے کی سہولت پیدا ہوتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں توکل کے بغیر عبادت اور گناہوں سے ندامت میں پورا اثر اور خلوص پیدا نہیں ہوتا۔

(۸) پارہ ۲۲ میں سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۴۸: "اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ کیجیے۔ اور ان کی طرف سے جو ایذا پہنچے اس کا خیال نہ کیجیے۔ اور

اللہ پر بھروسہ کیجئے اور اللہ کافی ساز گار ہے۔"

مشکل اور نامساعد حالات میں اگر حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک کو توکل اختیار کرنے کا حکم ہے تو اس حکم کی پابندی حضورؐ کے امتیوں کے لیے تو اس سے بھی زیادہ لازمی ہے۔

(۹) پارہ ۲۵ میں سورۃ الشوریٰ کی آیت نمبر ۱۰: "اور جس بات میں تم اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ اللہ ہی کے سپرد ہے۔ یہ اللہ میرا رب ہے میں اسی پر توکل رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔"

اختلافی امور میں اللہ کے فیصلہ پر پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح طور پر اللہ تعالیٰ پر مکمل توکل رکھنا امت کے لیے تقلید کی ایک مثال عظیم ہے۔

(۱۰) پارہ ۲۸ میں سورۃ الطلاق کی آیت نمبر ۳: "......اور جو لوگ اللہ پر توکل کریگا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہے......"

اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ انسان کی ہر حالت اور ہر حاجت پر پوری طرح صادق ہے خواہ وہ حالت یا حاجت حسّی ہو یا باطنی ہو دینی ہو یا دنیاوی ہو۔ یہ وعدہ ہر لحاظ سے غیر مشروط ہے۔ بس صدق دل سے توکل اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ ان آیات کریمہ پر غور و فکر کے بعد توکل کی دو قسمیں سمجھ میں آتی ہیں۔ اول علماً، اور دوم عملاً۔ علماً تو یہ کہ ہر امر میں حقیقی متصرف اور حقیقی مختار کل صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو سمجھے اور اپنے کو ہر امر میں اس کا محتاج خیال کرے۔ یہ توکل تو ہر امر میں عموماً فرض ہے اور اسلامی عقائد کا ایک نہایت اہم جزو ہے۔

قسم دوم توکل عملاً کا تعلق ترک اسباب سے ہے پھر اسباب کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اسباب دینیہ اور اسباب دنیویہ، اسباب دینیہ جن کے اختیار کرنے سے کوئی دینی نفع حاصل ہو ان کا ترک کرنا مناسب نہیں۔ بلکہ ایسا کرنا کہیں گناہ اور کہیں نقصان کا باعث ہو سکتا ہے

شرعاً بھی اس کا شمار توکل میں نہیں ہوتا۔ اگر لغتاً اسے توکل کہا بھی جائے تو یہ توکل مذموم ہے۔

اسبابِ دنیویہ جن سے دنیا کا نفع حاصل ہو۔ اس نفع کی دو قسمیں ہیں۔ حلال یا حرام اگر حرام ہو تو اس کے اسباب کا ترک کرنا ضروری ہے اور یہ توکل فرض ہے۔ اور اگر حلال ہو تو اس کی تین قسمیں ہیں۔ یقینی، ظنی، اور وہمی۔ اسباب وہمیہ جن کو اہلِ حرص و طمع اختیار کرتے ہیں اسے طولِ امل کہتے ہیں۔ ان کا ترک کرنا ضروری ہے۔ اسباب یقینیہ جن پر نفع ضرور مرتب ہوتا ہے۔ جیسا کھانے کے بعد آسودگی اور پانی پینے کے بعد پیاس کم ہو جانا اس کا ترک کرنا جائز نہیں۔ اور شرعاً بھی اسے توکل نہیں کہیں گے۔ اور اسبابِ ظنیہ وہ ہیں جن پر کبھی نفع ہو جاتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔ جیسے علاج کے بعد کبھی صحت ہو جاتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی۔ یا محنت اور کوشش کرنے کے بعد کبھی رزق مل جاتا ہے کبھی نہیں ملتا۔ ان اسباب کا ترک کرنا دراصل وہ ہے جسے طریقت میں اکثر توکل کہا جاتا ہے۔ اس کے حکم میں یہ تفصیل ہے کہ ضعیف النفس کے لیے تو جائز نہیں اور قوی النفس کے لیے جائز ہے خاص طور پر جو شخص قوی النفس بھی ہو اور راہِ سلوک پر قدم رکھنے کی خواہش بھی رکھتا ہو۔ اس کے لیے یہ توکل اختیار کرنا ضروری ہی نہیں بلکہ لازمی بھی ہے۔

توبہ کی جانب میری پہلی توجہ محض ایک اتفاقی واقعہ سے منعطف ہوئی۔ ایک بار مجھے قونیہ (ترکی) میں صاحب مثنوی معنوی مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پہ حاضر ہونے کا موقع نصیب ہوا۔ مزار کی عمارت کے صدر دروازے پر جلی حروف میں یہ رباعی تحریر تھی۔

باز آ باز آ ہر آں کہ ہستی باز آ
گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہِ ما درگہِ نومیدی نیست
سو بار اگر توبہ شکستی باز آ!

واپس آجا واپس آجا تو جو کوئی بھی ہے واپس آجا
اگر تو کافر اور مشرک اور بُت پرست بھی ہے تو واپس آجا
ہماری یہ درگاہ نا امیدی کی درگاہ نہیں
اگر تو سو بار بھی توبہ توڑ چکا ہے پھر بھی واپس آجا

اس رباعی میں نظر پڑتے ہی اس کا ایک ایک لفظ تیر کی طرح میرے سینے میں پیوست ہو گیا اور توبہ کی عظمت اور سہولت اور آسودگی کا مفہوم بجلی کی لہر کی طرح میرے تن بدن میں سرایت کر گیا۔ مجھے بے اختیار یہ محسوس ہوا گویا یہ رباعی میرے جیسے گناہگاروں اور روسیاہوں کو توبہ کی طرف رغبت کرنے کے لیے ہی ایسے مقام پہ آویزاں کی گئی ہے جہاں پہ اس کا اثر برقی رو کی طرح دل و دماغ کو گداز کر دیتا ہے۔

اسی روز سے میرے دل میں یہ یقین راسخ ہو گیا کہ ہر مسلمان میں نورِ ایمان ہے۔ گو اس کے آثار پورے طور پہ ظاہر نہ ہوں جیسے کوئی حسین اپنے چہرے پر سیاہی مل لے اور اس کا حُسن مستور ہو جائے۔ مگر جس وقت صابن سے دھوئیگا۔ چاند سا مکھڑا نکل آئے گا۔ ایسے ہی بعض مسلمانوں کا نورِ ایمان گناہوں کی وجہ سے ڈھکا چھپا رہتا ہے۔ لیکن جس وقت توبہ کرے گا۔ اسی وقت قلب منور نظر آنے لگے گا۔ دوبارہ کالک لگے گی، تو توبہ کا صابن پھر اسے دھو ڈالیگا اسی طرح تیسری بار، اسی طرح چوتھی بار، اسی طرح بار بار، ——— کیونکہ اس توّاب الرحیم کی رحمت انسان کی بداعمالیوں سے بہت زیادہ وسیع ہے۔

اس کی مثال دھوبی کی طرح ہے۔ ہم اپنے کپڑے گناہوں سے گندے کر دیتے ہیں۔ توبہ کریں تو دھوبی انہیں دھو ڈالتا ہے۔ دوبارہ گندے کر دیں۔ توبہ کی برکت سے پھر دھو ڈالتا ہے، اسی طرح سہ بار، چہار بار، حتیٰ کہ صد بار بھی ایسا ہی ممکن ہے۔ البتہ یہ خطرہ ضرور ہے کہ بار بار دُھلنے سے کپڑے کی اصلی آب و تاب اور توانائی میں کمی ضرور آجاتی ہے۔ اسی لیے توبہ کرنے کے بعد اس میں ثبات اور استحکام پیدا کرنا لازمی ہے۔

کہتے ہیں کہ گناہ کرنے سے دل پر ایک سیاہ دھبہ پڑ جاتا ہے۔ توبہ کریں تو یہ دھبہ مٹ جاتا ہے۔ توبہ نہ کریں اور گناہوں کے مرتکب ہوتے رہیں۔ تو انسان کا دل تاریکی کے اندھے کنوئیں کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشادِ الٰہی ہے۔

"...... بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جایا کرتے ہیں۔" (پارہ ۱۷، سورۃ الحج، آیت ۴۶)

" ہرگز ایسا نہیں۔ بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کا زنگ بیٹھ گیا ہے۔"

(پارہ ۳۰، سورۃ المطففین، آیت ۱۴)

توبہ کرنے کا جو طریقہ میں نے سیکھ رکھا ہے، وہ نہایت آسان ہے۔ جب کبھی کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو جلد از جلد دو رکعت نماز (صلوٰۃ التوبہ) پڑھے۔ یہ عام نماز کی طرح پڑھی جاتی ہے۔ اور اس میں پڑھنے کے لیے کوئی خاص سورتیں مقرر نہیں ہیں۔

(۱) دو رکعتوں کے بعد ستر بار یہ استغفار پڑھے: " رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَعَمِلْتُ سُوْءً فَاغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ ۔" (اے رب میں نے اپنے ہی نفس پر ظلم کیا اور برائی کر بیٹھا۔ پس میرے گناہ بخش دے۔")

اس کے بعد ۱۰۱ مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ، پڑھے۔ اس کے بعد یہ آیت ۱۰۱ بار پڑھے، " رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۔" (اے ہمارے رب ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا اور اگر آپ ہماری مغفرت نہ کریں گے اور ہم پر رحم نہ کریں گے تو واقعی ہمارا بڑا نقصان ہو جائیگا)

(پارہ ۸، سورۃ الاعراف، آیت ۲۳)

یہ حضرت آدم علیہ السلام کی دُعا ہے جس کی برکت سے ان کی توبہ قبول ہوئی۔ اس کے بعد ۱۰۱ مرتبہ یہ آیت کریمہ پڑھے، " لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ ۖ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝" (آپ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے آپ پاک ہیں میں بیشک قصوروار

ہوں) (پارہ ۱۷، سورۃ الانبیاء، آیت ۸۷)

اس استغفار کی برکت سے حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ کی گھٹن سے رہائی نصیب ہوئی۔

ان اوراد کے بعد اپنی زبان میں خلوص دل سے اپنے گناہ پر ندامت کا اظہار کر کے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور آئندہ سے اس سے بچ کر رہنے کا عزم بالجزم کرے۔

توبہ کا اصلی جوہر اس میں ہے کہ گناہ کے ماضی پر ندامت ہو۔ حال میں معافی کی درخواست ہو اور مستقبل کے لیے اس گناہ سے بچ کر رہنے کا عزم کر لیا جائے۔ اگر یہ تینوں عناصر اکٹھے ہو جائیں، تو توبہ کی قبولیت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

توبہ کی قبولیت کے بارے میں قرآنِ حکیم میں بہت سی آیات ہیں۔ ان میں سے صرف نو (۹) یہاں پر درج کی جا رہی ہیں:

(۱) "...... یقیناً اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں سے اور محبت رکھتے ہیں صاف پاک رہنے والوں سے۔"

(پارہ ۲، سورۃ البقرۃ، آیت ۲۲۲)

(۲) "پھر جو شخص توبہ کرے اپنی اس زیادتی کرنے کے بعد اور اعمال کی درستی رکھے تو بیشک اللہ تعالیٰ اس پر توجہ فرمائیں گے۔ بیشک خدا تعالےٰ بڑی مغفرت والے ہیں، بڑی رحمت والے ہیں۔"

(پارہ ۶، سورۃ المائدہ، آیت ۳۹)

(۳) "...... تمہارے رب نے مہربانی فرمانا اپنے ذمہ مقرر کر لیا ہے کہ جو شخص تم میں سے کوئی برا کام کر بیٹھے جہالت سے پھر وہ اس کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح رکھے تو اللہ تعالےٰ کی یہ شان ہے کہ وہ بڑی مغفرت کرنے والے ہیں، بڑی رحمت والے ہیں۔" (پارہ ۷، سورۃ الانعام، آیت ۵۴)

(۴) " اور جن لوگوں نے گناہ کے کام کئے پھر وہ ان کے بعد توبہ کر لیں اور ایمان لے آئیں تو تمہارا رب اس توبہ کے بعد گناہ کا معاف کر دینے والا رحمت کر دینے والا ہے۔"

(پارہ ۹، سورۃ الاعراف، آیت ۱۵۳)

(۵) " اور یہ کہ تم لوگ اپنے گناہ اپنے رب سے معاف کرواؤ، پھر اس کی طرف متوجہ رہو، وہ تم کو وقت مقرر تک خوش عیشی دے گا، اور ہر زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ ثواب دے گا ......"

(پارہ ۱۱، سورہ ہود، آیت ۳)

(۶) " اور میں ایسے لوگوں کے لیے بڑا بخشنے والا بھی ہوں جو توبہ کر لیں اور ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں پھر راہ پر قائم رہیں۔"

(پارہ ۱۶، سورہ طٰہٰ، آیت ۸۲)

(۷) " اور وہ ایسا ہے کہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ اور وہ تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ اس کو جانتا ہے۔"

(پارہ ۲۵، سورۃ الشوریٰ، آیت ۲۵)

(۸) " اے ایمان والو تم اللہ کے سامنے سچی توبہ کرو۔ امید ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہ معاف کر دیگا۔ اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی۔ جس دن کہ اللہ تعالیٰ نبی ؐ کو اور جو مسلمان ان کے ساتھ ہیں۔ ان کو رسوا نہ کریگا۔ ان کا نور ان کے داہنے اور ان کے سامنے دوڑتا ہوگا۔ یوں دعا کرتے ہونگے کہ اے ہمارے رب ہمارے لیے ہمارے اس نور کو اخیر تک رکھیے اور ہماری مغفرت فرما دیجیے آپ ہر شے پر قادر ہیں۔"

(پارہ ۲۸، سورۃ التحریم، آیت ۸)

(۹) اور میں نے (نوحؑ نے) کہا تم اپنے پروردگار سے گناہ بخشواؤ۔ بیشک وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ کثرت سے تم پر بارش بھیجیگا اور تمہارے مال اور اولاد میں ترقی دے گا۔ اور تمہارے لیئے باغ لگادیگا اور تمہارے لیے نہریں بہا دے گا۔ تم کو کیا ہوا کہ تم اللہ کی عظمت کے معتقد نہیں ہو۔"

(پارہ ۲۹، سورہ نوح، آیات ۱۰، ۱۲، ۱۳)

توبہ کی ایک خاص برکت یہ ہے کہ اخروی نعمت یعنی مغفرت کے علاوہ دنیاوی نعمتیں حاصل ہونے کی امید بھی رکھنا چاہیے۔ یہ امید مندرجہ بالا آیات نمبر ۵ اور ۹ سے واضح طور پہ مترشح ہوتی ہے۔

خشوع وخضوع، ذکروفکر، توبہ، تقوٰی اور توکل کی توفیق سے فیض یاب ہوکر انسان کے نفس میں ایک انقلاب عظیم برپا ہوجاتا ہے۔ وہ انقلاب یہ ہے کہ نفس امارہ نفس لوامہ میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ نفس امارہ وہ ہے جو انسان کو شر پہ اکساتا ہے۔ نفس لوامہ وہ ہے جو شر پہ تو اس طرح نادم ہو کہ کیوں کیا، اور خیر پہ اس طرح نادم ہو کہ کیوں نہ کیا۔ ترقی کی راہ پہ یہ محض پہلا اور ابتدائی قدم ہے۔ اصل مقصد تو نفسِ مطمئنہ کا حصول ہے۔

قرآن الحکیم کے پارہ ۳۰ کی سورۃ الفجر کی آخری تین آیات میں نفسِ مطمئنہ کی توصیف اس طرح آئی ہے۔ " اے اطمینان والی روح، تو اپنے پروردگار کی طرف چل اس طرح کہ تو اس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش۔ پھر تو میرے بندوں میں داخل ہوجا۔ اور میری جنت میں داخل ہوجا۔"

نفسِ مطمئنہ اسی وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ انسان ہر حالت میں اللہ سے راضی ہو اور اللہ اپنے بندے سے راضی ہو۔ رضاءِ الٰہی کا یہ درجہ حُبِّ الٰہی سے استوار ہوتا ہے۔ اور

حُبِّ الٰہی کا واحد زینہ حُبِّ رسُول صلّے اللہ علیہ وسلّم ہے۔

قرآن مجید کے پارہ ۳ میں سورہ آلِ عمران کی آیت نمبر ۳۱ میں ارشادِ الٰہی ہے: "آپ فرما دیجئے کہ اگر تم خدا تعالٰی سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو۔ خدا تعالٰی تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کر دیں گے اور اللہ تعالٰی بڑے غفور رحیم ہیں۔" اللہ تعالٰی کے ساتھ محبت کرنا اور اللہ تعالٰی کی محبت حاصل کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع، فرمانبرداری اور محبت کے بغیر ممکن نہیں۔ اس انسانِ کامل کے ساتھ محبت کرنا عارفانہ طور پر ہی نہیں بلکہ والہانہ حد تک محبت کرنا —— ہر صاحبِ دل کے لیے ایک قدرتی اور فطرتی امر ہونا چاہیے۔ کیونکہ پارہ ۲۹ میں سورہ القلم کی آیت نمبر ۴ میں حضورؐ کے اخلاقِ عظیم پہ اللہ تعالٰی کی یہ سند موجود ہے۔ "اور بے شک آپ اخلاق کے اعلٰی پیمانہ پہ ہیں۔"

نمونہ کے طور پہ آپ کے اخلاق کی صرف تین اور آیات درج ذیل ہیں:

(۱) "سرسری برتاؤ کو قبول کر لیا کیجیے۔ اور نیک کام کی تعلیم کر دیا کیجیے اور جاہلوں سے ایک کنارہ ہو جایا کیجیے۔"

(پارہ ۹، سورہ الاعراف، آیت ۱۹۹)

اخلاقیات میں اس سے زیادہ سادہ اور جامع تعلیم ناممکن ہے۔

(۲) "اور ہم نے آپ کو کسی اور بات کے واسطے نہیں بھیجا مگر دنیا جہان کے لوگوں پہ رحمت کرنے کے لئے۔"

(پارہ ۱۷، سورۃ الانبیاء، آیت ۱۰۷)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضورؐ کی رحمتیں اور برکتیں آپ کے قصد کے بغیر تمام عالم کو پہنچتی ہیں جیسے آفتاب کی شعاعیں اس کے قصد و علم کے بغیر سب کو پہنچتی ہیں۔

(۳) "وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور دانش مندی سکھلاتے ہیں اور یہ لوگ پہلے سے کھلی گمراہی میں تھے۔ اور دوسروں کے لیے بھی جو ان میں سے ہونے والے ہیں لیکن ہنوز ان میں شامل نہیں ہوئے اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔"

اس میں اس بات کا ثبوت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا فیض امت پر قیامت تک جاری رہے گا۔ کیونکہ "جو ان میں سے ہونے والے ہیں لیکن ہنوز ان میں شامل نہیں ہوئے" تو ان میں وہ سب آ گئے جو خواہ بوجہ اس کے کہ موجود ہیں اور ایمان نہیں لائے۔ یا بوجہ اس کے کہ ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے۔ چنانچہ اس میں تمام امت قیامت تک حضورؐ کے فیض جاریہ کے تحت آ گئی۔

حضورؐ کے اخلاق کے متعلق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول ہے، "آپ کا خلق قرآن ہے۔" گویا اس آسمانی کتاب کی عملی حالت کو وجود کا لباس پہنا کر محمد نام رکھ دیا گیا ہے۔ صلے اللہ علیہ وسلم۔

ہر انسان جسم اور روح سے مرکب ہے۔ اعضاء بدنیہ کے تناسب اور سڈول ہونے کا نام حسن الخلق (خوبصورتی) ہے۔

روحانی سطح پہ قوائے نفسانیہ کے معتدل، متوسط اور متوازن ہونے کا نام حسن الخلق یعنی خوب سیرتی ہے۔ روح کی باطنی ترکیب جن قوتوں اور کیفیتوں سے قائم ہوتی ہے۔ ان میں چار قوتیں بنیادی درجہ رکھتی ہیں۔ قوت علم۔ قوت غضبیہ، قوت شہوت اور قوت عقل۔ ان قوائے نفسانیہ میں اعتدال توازن اور میانہ روی کے زائل یا کم و بیش ہونے سے بد خلقی

اور بدبختی پیدا ہوتی ہے اگر روح کے یہ چاروں اجزا، اعتدال اور میانہ روی پر قائم ہوں تب خلق حسن ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کو حسن بہت مرغوب ہے اور نفس کی اصلاح اور آراستگی کا بندوں کو حکم دیا گیا ہے۔ شریعت کے احکام کا بھی یہی مقصد ہے۔ قرآن مجید کی ساری تعلیم کا یہی خلاصہ ہے کہ قوائے باطنیہ کو پاکیزہ، معتدل اور حسین بنا کر خدا کے حضور میں حاضر ہوئے۔ نفس مطمئنہ کا بھی یہی مفہوم ہے۔

قوتِ غضبیہ کے اعتدال کا نام شجاعت ہے۔ جس کا ثمرہ جود و سخا، ہمت و دلیری، بردباری، استقلال، صبر اور وقار، عاقبت بینی، نرمی و ملائمت اور غصہ کے ضبط کرنے کی طاقت ہے۔ جب قوتِ غضبیہ حد سے بڑھ جائے، تو اس کا نام تہور ہے جس کی بدولت شیخی مارنا، غصہ سے بھڑک اٹھنا، انجام نہ سوچ کر ندامت اٹھانا، تکبر کرنا، نخوت و خود پسندی اور اپنے کو اچھا سمجھنا پیدا ہوتا ہے۔ اور جب حدِ اعتدال سے گھٹتی ہے تو اس کا نام جبن ہے۔ جس کی بدولت بے غیرتی و کاہلی، خساست و کم ہمتی، چھچھورا پن، بزدلی اور ذلت اور رسوائی کو گوارا کرنا لاحق ہو جاتا ہے۔

قوتِ شہوت کے اعتدال کا نام عفت ہے جس کے ثمرات حیا و پارسائی، رضا اور قناعت، خوفِ خدا اور مخلوق کے ساتھ احسان و سلوک ہیں۔ جب قوتِ شہوانیہ اعتدال چھوڑ کر کم یا زیادہ ہوتی ہے تو حرص و لالچ، خوشامد و چاپلوسی، عاجز مخلوق پر رعب اور دبدبہ ڈالنا، غربا کو حقارت کی نظر سے دیکھنا، بے حیائی، فضول خرچی، ریا، فریب، تنگ دلی، حسد و کینہ اور بغض و عناد جیسی بری خصلتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

عقل کا اعتدال ذکا کہلاتا ہے۔ جس کے ثمرات میں فراست و اصابت رائے، ناموس و لطافت کا تحفظ، حفظِ مراتب، حدودِ شرعیہ کی حفاظت، عبدیت و عجز کا احساس، خدا شناسی، اپنے مولا کی قدردانی جس کی بدولت طاعات میں محویت اور آخرت پر ترجیح ظاہر ہوتی ہے۔

جب اس میں کمی بیشی ہوتی ہے تو کند ذہنی، مکاری، جعلسازی، حماقت و حسرت، ایذا رسانی اور بے رحمی کی بُری خصلتیں صادر ہوتی ہیں۔

جسمانی خوبصورتی کی طرح حسنِ خلق (خوب سیرتی) کے بھی بے شمار مراتب اور رنگ ہیں۔ خلاقِ عالم کے نزدیک سرورِ کائنات احسن الخلق خلقاً سمجھے گئے ہیں اور قرآنِ حکیم میں اللہ تعالٰی کی جانب سے آپ کو وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ (اور بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ پیمانے پر ہیں) کا پروانہ عطا ہوا ہے۔

جس شخص کے باطنی قویٰ کی روحانی ترکیب کو اعتدالِ حسن میں رہبرِ عالمؐ کے ساتھ جس قدر زیادہ مناسبت، مشابہت اور موافقت ہوگی اسی تناسب سے اسے قربِ الٰہی، حُبِّ الٰہی اور محبوبیت کا درجہ عطا ہوگا۔ اور اسی طرح اس کے برعکس، عشقِ رسولؐ کی اس کسوٹی کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ یہی اصل طریقت ہے۔ اسی کا حاصل ہو جانا سچی معنوی کرامت ہے۔

جس طرح ہر مسلمان کے باطن میں نورِ باطن کی کچھ نہ کچھ شعاعیں ضرور مستور ہوتی ہیں۔ اسی طرح ہر صاحبِ ایمان کے دل میں محبتِ رسولؐ اور احترامِ رسولؐ کا جذبہ بھی کسی نہ کسی حد تک یقیناً موجزن ہوتا ہے۔

جب میری عمر پانچ یا چھ سال کے قریب تھی تو اس زمانے میں مجھے اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے ساتھ کسی قسم کا کوئی خاص ذاتی لگاؤ نہ تھا۔ مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے کے باعث میکانکی طور پر کلمہ جانتا تھا اور دینیات کے استاد کے خوف سے نماز کی سورتیں اور دُعائیں طوطے کی طرح رٹ رکھی تھیں۔ آبادی سے دُور ایک مخبوطُ الحواس، مجنوں صفت، مجذوب نما شخص ویرانے میں بیٹھا رہتا تھا۔ اور ہمہ وقت اِلَّا اللّٰہ اِلَّا اللّٰہ کی ضربیں لگاتا رہتا تھا۔ میں اور میرا ایک ہم عمر ہندو دوست اکثر اس کے پاس جا کر اس کا منہ چڑایا کرتے اور اس کے ذکر کی نقلیں اُتارا کرتے تھے۔ میرا ہندو دوست اِلَّا اللّٰہ کے وزن پر مہمل مضحکہ خیز، اور کبھی کبھی فحش قافیے جوڑ کر مذاق بھی اُڑایا کرتا تھا۔ مجذوب نے ہمیں بار بار ڈانٹا کہ ہم اللہ کے نام کی بے

محسوس نہ کریں لیکن ہم باز نہ آئے۔ ایک روز ہم دونوں اسی مشغلے میں مصروف تھے کہ ایک شخص ادھر سے چند نعتیہ اشعار الاپتا ہوا گزرا جس کا ایک مصرعہ یہ تھا،

محمدؐ نہ ہوتے تو دنیا نہ ہوتی

یہ مصرع سن کر میرا ہندو دوست زور زور سے ہنسنے لگا۔ اور اس نے اسم محمدؐ کی شان میں کچھ گستاخیاں بھی کیں۔ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ لپک کر ایک پتھر اٹھایا۔ اور اسے گھما کر ہندو لڑکے کے منہ پر ایسے زور سے دے مارا کہ اس کا سامنے کا آدھا دانت ٹوٹ گیا۔

یہ حقیقت ہے کہ اس زمانے میں شعوری طور پر مجھے اللہ، اور رسول اللہؐ دونوں کے ساتھ یکساں بیگانگی تھی۔ پھر لاشعور کی وہ کونسی لہر تھی جو اللہ کے ساتھ مذاق پر تو خاموش رہتی تھی لیکن رسول اللہؐ کے ساتھ گستاخی پر آناً فاناً جوش میں آگئی تھی؟ یوں بھی عام مشاہدہ یہی ہے کہ اگر کوئی ہمیں گالی دے تو غصہ آتا ہے۔ ہمارے ماں باپ کو گالی دے تو اور زیادہ غصہ آتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کے خلاف زبان طعن دراز کرے تو دل کڑھتا ہے اور گالی گلوچ تک نوبت آسکتی ہے لیکن رسولِ خداؐ کے متعلق بدزبانی کرے تو اکثر لوگ آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور کچھ لوگ تو مرنے مارنے کی بازی تک لگا بیٹھتے ہیں۔ اس میں اچھے، نیم اچھے یا بُرے مسلمان کی بالکل کوئی تخصیص نہیں۔ بلکہ تجربہ تو یہی شاہد ہے کہ جن لوگوں نے ناموسِ رسولؐ پر اپنی جان عزیز کو قربان کر دیا۔ ظاہری طور پر نہ تو وہ علم وفضل میں نمایاں تھے اور نہ زہد و تقویٰ میں ممتاز تھے۔ ایک عام مسلمان کا شعور اور لاشعور جس شدت اور دیوانگی کے ساتھ شانِ رسالت کے حق میں مضطرب ہوتا ہے۔ اس کی بنیاد عقیدے سے زیادہ عقیدت پر مبنی ہے۔ خواص میں یہ عقیدت ایک جذبہ اور عوام میں ایک جنون کی صورت میں نمودار ہوتی ہے۔ یہ جذبہ یا جنون نہ تو کسی منظم تحریک کی پیداوار ہے۔ اور نہ ہی کسی خاص برین واشنگ کا نتیجہ ہے۔ اس کے برعکس یہ تو ایک خودکار تخلیقی عمل کی طرح جنم لے کر فطرتِ انسانی کے لیے نہاں خانوں میں پوشیدہ رہتا ہے جس کا بسا اوقات ہمیں خود بھی علم نہیں ہوتا۔ زیادہ

نیک لوگوں میں عقیدتِ رسولؐ کی حدت پائی جاتی ہے۔ اور نسبتاً کم نیک لوگوں میں عقیدت رسولؐ میں شدت پائی جاتی ہے۔ عقیدت کی حدت اور شدت کا یہ وسیع و عریض ہمہ گیر پھیلاؤ یقیناً اس آیتِ کریمہ کی منہ بولتی تعبیر ہے جس میں اللہ تعالےٰ نے حضورؐ کے بارے میں یہ بشارت دی ہے۔ " وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ " (ہم نے آپ کا ذکر بلند کر دیا) (پارہ ۳۰۔ سورہ الم نشرح، آیت ۴)۔ ظاہری طور پہ تو اس بشارت کا مظہر وہ ذکرِ رسولؐ ہے جو درود و سلام اور اذان اور نماز میں بار بار ہر جگہ ہر آن لازمی طور پہ کیا جاتا ہے۔ لیکن باطنی طور پہ اس کا کھلا مظہر احترامِ رسالت کی وہ پوشیدہ حقیقت ہے جو ہر اچھے یا بُرے مسلمان کے لاشعور میں اسی طرح جاری و ساری رہتی ہے جس طرح کہ خون اس کی رگوں میں گردش کرتا ہے۔

جس طرح اپنے ایک ہندو دوست کا آدھا دانت توڑنے کے بعد مجھے شعوری طور پر احترامِ رسالت کا احساس ہو گیا تھا۔ اسی طرح چند برس بعد ایک اور ہندو کی وساطت سے مجھے درود شریف کی اہمیت سے آگاہی حاصل ہوئی۔ اس کا تفصیلی بیان "راج کرے گا خالصہ باقی رہے نہ کو" والے باب میں گزر چکا ہے۔

ساری کائنات میں ایک اور صرف ایک ایسا عمل ہے جو اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور انسان کے درمیان یکساں طور پہ مشترک ہے۔ قرآن کریم کے پارہ ۲۲ میں سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۵۶ کے الفاظ میں وہ عمل یہ ہے۔

> " بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پہ درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو تم بھی ان پہ درود اور خوب سلام بھیجا کرو۔ "

یوں تو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بہت سے احکامات نازل فرمائے ہیں جن کا بجا لانا ہر اہلِ ایمان کا فرض ہے۔ بہت سے انبیاء کرام کی توصیفیں بھی کی ہیں اور ان کے بہت سے اعزاز و اکرام بھی بیان فرمائے ہیں۔ لیکن کسی حکم یا کسی اعزاز و اکرام میں یہ نہیں

فرمایا کہ میں بھی یہ کام کرتا ہوں تم بھی کرو۔ یہ اعزاز صرف ہمارے رسولِ مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے درود کی نسبت اولاً اپنی طرف اور پھر اپنے فرشتوں کی طرف کرکے مسلمانوں کو خطاب کیا کہ اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں۔ اے مومنو تم بھی درود بھیجو۔ یہی ایک واحد امر ہے جس میں اللہ تعالےٰ نے صرف حکم دے کر اس کی تعمیل کا مطالبہ نہیں کیا۔ بلکہ خود اپنے ایک عمل کی مثال دے کر اس کی تقلید کی فرمائش کی ہے۔ ایک عبد کی فضیلت کا اس سے بڑھ کر کوئی اور درجہ تصوّر میں بھی لانا محال ہے۔

درُود شریف میں صاحبِ درود کا اعزاز تو ہے ہی، لیکن اس میں درود پڑھنے والے کی سعادت اور اکرام بھی ہے۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ درود شریف پڑھ کر ہم ان احسانات عظیم کا تھوڑا سا حق ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو اس محسنِ اعظم کے اپنی امت کے ہر فرد و بشر پر ہیں۔ دوسرے یہ کہ درود شریف پڑھنے والے کو اپنی استعداد اور خلوص کے مطابق صاحبِ درود کی توجہ کا شرف ضرور حاصل ہوتا ہے۔ خاص طور پر ان اوصاف کی توجہ کا جنہیں قرآن شریف میں رؤف الرحیم اور رحمۃ للعالمین کے خطاب سے نوازا گیا ہے۔ اگرچہ ہزاروں افراد ہزاروں مختلف مقامات پر ایک ہی وقت درود شریف پڑھ رہے ہوں۔ ان سب پر فرداً فرداً بیک آن صاحبِ درُود کی توجہ کا منعکس ہونا نہ کوئی عجیب بات ہے اور نہ کوئی مشکل امر ہے۔ چراغ اگر چھوٹا ہو تو اس کی روشنی پھیلانے کے لیے اسے ایک کمرے سے اٹھا کر دوسرے کمرے میں پہنچانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن سورج کی شعاعیں ہر جگہ بیک وقت یکساں طور پر بآسانی پہنچتی رہتی ہیں۔ شرط صرف اتنی ہے کہ رُخ سورج کی جانب ہو۔ ماڈرن اصطلاح میں یہ ساری بات Frequency یعنی برقی لہروں کے ارتعاش کا معاملہ ہے۔ اگر انسان صحیح Wave Length (لاسلکی کی شعاعوں کے طول) کے ساتھ Tune-in

(ہم آہنگ) ہو جائے۔ تو کسی کا دل تار گھر میں استعمال ہونے والی Morse-key بن جاتا ہے۔ کسی کا دل بڑی طاقت والا شارٹ ویو ریڈیو سیٹ بن جاتا ہے۔ کسی کا دل ٹیلیویژن اور کسی کا رنگین ٹیلیویژن بن جاتا ہے۔

Wave Lengths کی ہم آہنگی اعمال اور اطاعت سے ہوتی ہے۔

اور ٹرانسمیٹر کے ساتھ صحیح مرکز کا کنکشن صرف درود شریف کے ذریعہ قائم ہوتا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ حقیقت محمدیہ کا اصل راز حقیقت آدمیہ ہی میں مضمر ہے۔ باطن کی اصطلاحات میں وجود کے تین مرتبے متعین کیے جاتے ہیں۔ احدیت، وحدت اور واحدیت۔ احدیت تو غیب الغیب، باطنِ محض یعنی ذاتِ الٰہی کو کہتے ہیں۔ وحدت صفات اجمالیہ کا نام ہے جسے حقیقت محمدیہ کہا جاتا ہے۔ اور واحدیت صفات تفصیلیہ کا درجہ ہے۔ جسے اعیان ثانیہ اور حقیقتِ آدمیہ بھی کہتے ہیں۔ یہ تینوں درجے ازلی ابدی ہیں اور ان میں آپس میں ایک دوسرے پر تقدم و تاخر بھی ہے۔ چونکہ انسان صفات حق کا مظہر ہے اور حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ان سب میں مظہریت میں اکمل و اعلیٰ ہیں۔ اس لیے درجۂ صفات اجمالی یعنی حقیقتِ محمدیہ درجۂ صفات تفصیلی یعنی حقیقت آدم سے مقدم ہے۔ درخت کی غایت مقصود پھل ہے۔

انسانیت کی غایت مقصود تکمیل انسانیت ہے۔ جس طرح پھل کے وجود ازلی کو درخت کے وجود جسمی پر تقدم حاصل ہے۔ بالکل اسی طرح حقیقت محمدیہ کی صفتِ ازلی و اجمالی کو وجود آدم پر تقدم اور تفضل حاصل ہے۔ اس باریک نکتے کو اس سے زیادہ بیان کرنا میرے بس کا روگ نہیں کیونکہ یہ نہ علم کا مسئلہ ہے اور نہ علم الیقین کا۔ اس کی مزید تشریح تو وہی روشن ضمیر حضرات کر سکتے ہیں جنہیں عین الیقین اور حق الیقین کی نعمت حاصل ہے میرے جیسے کور باطن عامی کے نزدیک تو بس نجات کے لیے اتنا یقین ہی کافی ہے۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

بعض لوگ دریافت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں دُعا کرنے سے پہلے اور آخر میں درود شریف پڑھنا کیوں لازمی ہے ؟ دراصل ایسا کرنا لازمی تو بالکل نہیں، البتہ سود مند ضرور ثابت ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں جس طرح بھی دعا کی جائے، وہ پہنچ تو ضرور جاتی ہے لیکن دنیاوی اصطلاح میں درود شریف کی مثال شاہی ڈیسپیچ بکس (Despatch Box) کی سی ہے جو دُعا اس ڈیسپیچ بکس میں بند ہو کر اللہ تعالیٰ کے دربار میں پہنچے، اس کی جانب خصوصی اور فوری توجہ کا منعطف ہونا زیادہ قرینِ قیاس ہے۔ درُود شریف کئی طرح کے رائج ہیں لیکن دُعاؤں کے اوّل و آخر نماز والا درود شریف پڑھ لینا ہی کافی ہے۔

دُعا کے بارے میں مجھے یہ کامل یقین ہے کہ خلوصِ دل سے نکلی ہوئی دُعا ہمیشہ قبول ہوتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ قبولیت انسان کی مرضی کے مطابق ہو یا اللہ کی رضا کے مطابق جو خوش قسمت لوگ اپنی خواہشات اور مرضی کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے تابع رکھنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک دونوں صورتیں برابر ہوتی ہیں۔ اگر ان کی دعا ان کی اپنی خواہش کے مطابق پوری ہو جائے، تو وہ اس نعمت پر سجدۂ شکر بجا لاتے ہیں۔ اور اگر ان کی خواہش کیمطابق پوری نہ ہو تو وہ اسے بھی اللہ کی رضا کے مطابق قبولیت ہی سمجھتے ہیں اور اس کے سامنے بصد خوشی سرِ تسلیم خم کرتے ہیں۔ عبدیت کی یہ شان اگر مستحکم ہو کر ترقی پاتی رہے۔ تو رفتہ رفتہ انسان کی رسائی کسی حد تک مقامِ مرادیت تک بھی ممکن ہو سکتی ہے۔ اس مقام کی ارفع ترین بلندی پر حضرت محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فائز تھے۔ قرآن شریف میں اس مقام کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے:

"ہم آپ کے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اُٹھنا دیکھ رہے ہیں۔ اس لیے ہم آپ کو اسی قبلہ کی طرف متوجہ کر دیں گے جس کے لیے آپ کی مرضی ہے......"

(پارہ ۲، سُورۃ البقرہ، آیت نمبر ۱۴۴)

سب سے افضل اور اکمل ترین دعا سورۃ فاتحہ ہے۔ جو انسان کی دنیاوی زندگی اور

آخرت کے تمام ظاہری اور باطنی احوال کا بے مثال فصاحت و بلاغت اور اختصار کے ساتھ پورا پورا احاطہ کرتی ہے۔ یہ سورۃ ہر نماز کی ہر رکعت میں لازمی طور پر پڑھی جاتی ہے لیکن انسان غرض مندی اور احتیاج کا پتلا ہے۔ اسے قدم قدم پر طرح طرح کی ضروریات اور حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جن سے نپٹنے کے لیے اپنی کوشش کے علاوہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کرنے کی حاجت بھی ضرور ابھرتی ہے۔

دعا سے زیادہ کوئی وظیفہ موثر نہیں۔ وظیفوں کا سہارا لے کر کچھ لوگ خدا سے دعا مانگنا ہی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ اس سے بندوں کا تعلق حق تعالےٰ سے بہت ہی ضعیف ہو جاتا ہے۔ ایک اور بہت بڑی خرابی یہ ہے کہ اگر وظیفہ سے کام نہ ہوا۔ تو پھر آیات الٰہیہ سے بدگمانی اور بدعقیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ سب جاہل عاملوں کی بدولت ہو رہا ہے۔ ان کے ہاں ہر کام کے لیے وظائف ہی کی تعلیم ہوتی ہے۔ بتلاتے وقت ایسے انداز سے کہتے ہیں اور ایسا اطمینان دلاتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام اسی طرح ہو جائیگا۔ اگر تقدیر سے اس کے خلاف ہوا تو اس پڑھنے والے کے ایمان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ وہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ آیات الٰہیہ میں بھی کوئی اثر نہیں۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ اکثر لوگ وظیفے تو بڑی آسانی سے بن جاتے ہیں۔ لیکن اپنے اصل فرائض یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور اخلاقِ حسنہ کے دیگر لوازمات کی پابندی اختیار کرنے سے غافل رہتے ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے موٹر کار میں پٹرول ڈالے بغیر اسے چلانے کی کوشش کی جائے یا جیسے جھاڑ جھنکار صاف کیے بغیر اور ہل چلائے بغیر بنجر زمین میں گندم کے بیج بکھیر دیے جائیں۔ یہ تو ممکن ہے کہ خال خال بیج پھوٹ کر کہیں کہیں گندم کے چھوٹے چھوٹے پودے اُگ آئیں۔ لیکن ان میں گندم کے خوشے نہ لگے ہوں گے۔ اگر اتفاق سے کسی میں ہوئے بھی تو ناقص اور ناکارہ ہوں گے۔ یہی حال ان وظائف کے نتائج کا ہے جو دوسرے فرائض اور واجبات کی پابندی اختیار کیے بغیر پڑھے جاتے ہیں۔

سورۂ فاتحہ کے علاوہ جو دعائیں قرآن شریف میں نازل ہوئی ہیں ان کا اپنا ایک خاص مقام ہے۔ ان کی مثال اس طرح ہے جیسے حاکم خود کسی سائل کو عرضی کا مضمون بنا کر دیدے، کہ اگر ان الفاظ میں درخواست پیش کرو گے تو فوراً قبول کیے جانے کا زیادہ امکان ہے۔

میں نے اپنی زندگی میں چند دعاؤں اور اوراد وغیرہ کو انتہائی موثر، مجرب اور سود مند پایا ہے۔ میں اپنے ان ذاتی مشاہدات اور تجربات میں اپنے قارئین کو بھی شریک کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ مندرجہ ذیل سطور میں ان دعاؤں اور اوراد اور ان کو پڑھنے کے طریق کار کا ذکر ہوگا۔ جو میرے اپنے آزمودہ ہیں۔ ان میں کوئی نئی یا انوکھی بات تو نہیں لیکن میرا ذاتی تجربہ شاہد ہے کہ ان میں عجیب و غریب سریع التاثیر خواص اور فوائد ہیں۔ ان کو پڑھنے کے لیے کسی سے کوئی اجازت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ دین کے جملہ فرائض و واجبات کی پابندی سے ادائیگی لازمی ہے۔

(۱) نماز فجر کی سنتوں کے بعد اور فرضوں سے پہلے ۴۱ بار سورہ فاتحہ۔ ہر بار بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ساتھ پڑھی جائے۔ اوّل اور آخر گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف۔ اس کے بعد جو دعا مانگی جائے۔ اس پہ قبولیت کا خاص سایہ ہوگا۔ اگر ایسا چالیس روز تک متواتر کیا جائے، تو بہت سی الجھی ہوئی حاجتیں سلجھ جاتی ہیں۔ اگر اسے ہمیشہ کے لیے اپنا لیا جائے۔ تو اس کی برکت سے زندگی کے بہت سے بوجھ ہلکے ہو جاتے ہیں۔

(۲) گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھ کر سورہ لیٰس پڑھی جائے۔ "مبین" پر رک کر ہر بار بسم اللہ کے ساتھ سات بار سورۂ فاتحہ پڑھی جائے۔ سورہ لیٰس ختم کرنے کے بعد پھر گیارہ مرتبہ درود شریف۔ اس کے بعد اپنی حاجت برآری کی دعا مانگی جائے۔ یہ تلاوت

اس وقت تک ہر روز جاری رکھی جائے جب تک کہ دل میں اپنی حاجت کے بارے میں سکون یا اطمینان پیدا نہیں ہو جاتا۔

یوں بھی کسی خاص حاجت یا ضرورت کے بغیر ہر جمعہ کو ایکبار ایسا کرنا باعث برکت ہے۔ اور زندگی میں سہولت اور تازگی کے عناصر بڑھاتا ہے۔

(۳) گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھ کر اعوذ باللہ اور بسم اللہ کے بعد سورہ فاتحہ پڑھنا شروع کرے۔ جب اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد کی درخواست کرتے ہیں) پہ پہنچے، تو رک جائے۔ اور اس آیت کو اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں کے ساتھ اس طرح دہرائے۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ يَا اَللّٰهُ يَا رَحْمٰنُ

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ يَا اَللّٰهُ يَا رَحِيْمُ

اسی طرح ننانوے نام پورے کرے۔ اور اس کے بعد سورہ فاتحہ کا باقی حصہ پورا کرے۔ یہ گردان اس طور پہ کرے کہ جب اِيَّاكَ نَعْبُدُ کہے تو انتہائی خشوع کے ساتھ سجدہ میں چلا جائے۔ اور جب وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہے تو اٹھ کر فقیروں کی طرح دامن پھیلا کر دل کی گہرائی سے ایسی لجاجت کے ساتھ یہ الفاظ ادا کرے کہ اپنے آپ پہ رقت طاری ہو جائے۔ آیت کا یہ حصہ اور یا اللہ یا رحمٰن یا دوسرے اسمائے الٰہی ادا کرتے وقت ایسا انداز اختیار کرے جو خود اپنی نظر میں بھی واقعی فقیرانہ اور منکسرانہ ہو۔ ایک آسان طریقہ یہ ہے کہ گھٹنوں کے بل نیم ایستادہ ہو کر کبھی اپنا دامن پھیلائے اور کبھی اپنی ٹوپی کشکول کی طرح

ہاتھوں میں لے کر قادرِ مطلق کے حضور بڑھ جائے۔ اس آیت کے ساتھ اگر سجدہ اور بھیک منگتوں کا سا انداز خلوصِ دل سے اختیار کیا جائے، تو رفتہ رفتہ رقت خود بخود طاری ہونے لگتی ہے، اور قرب کا احساس بھی پیدا ہو جاتا ہے۔

اگر کوئی خاص مہم یا ہنگامی حاجت پیشِ نظر ہو، تو موقع محل کے لحاظ سے اسماء الحسنیٰ میں سے اللہ تعالیٰ کا مناسب نام منتخب کرلے۔ اور مندرجہ بالا طریقے سے اسے بار بار دہرانے میں اس طرح محو ہو جائے، کہ اس کا اپنا وجود بھی فنا ہو جائے اور اس کے دل و دماغ میں اللہ تعالیٰ کی اس خاص صفت کے علاوہ اور کسی چیز کا گزر نہ ہو۔ مثال کے طور پر

وسعتِ رزق کے لیئے

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ یَا اَللّٰہُ یَا رَزَّاقُ

یا بیماری کی صورت میں

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ یَا اَللّٰہُ یَا شَافِی یَا سَلَامُ

اسی طرح باقی ضروریات کے لیے۔ اسے بے شمار بار دُہرائے۔

بعد ازاں سورہ فاتحہ کا بقایا حصہ ختم کرے۔

میں چند ایک ایسے حضرات سے بھی واقف ہوں جنوں نے کسی ہنگامی ضرورت کے تحت اس آیت کا ورد ایسے اضطرابانہ، اضطرارانہ اور گدایانہ انداز سے کیا کہ ایک ہی نشست میں ان کا مطلب پورا ہو گیا۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر کوئی شخص دنیا و مافیہا سے غافل ہو کر سچے دل کے ساتھ اس ورد کے ساتھ پوری طرح ہم آہنگ ہو جائے تو وہ اسے اسی وقت ختم کرتا ہے جب اسے یقین ہو جائے کہ اس کی دعا قبول ہو گئی ہے یا اس کے دل پر

اس بات کا سکون نازل ہو جاتا ہے کہ اس کا قبول ہونا ہی اللہ کی رضا کے عین مطابق ہے۔ کوئی خاص حاجت نہ ہو۔ تب بھی اس آیت کا پورے اسمائے الٰہی کے ساتھ ہر روز ورنہ کم ازکم ہفتہ میں ایک بار کرتے رہنا کئی لحاظ سے باعث برکت ہے۔ خاص طور پہ ایسا شخص دوسرے انسانوں سے خائف نہیں رہتا اور نہ ہی وہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرتا ہے۔ انسانی کردار کے یہ دونوں خصائل بڑی عظیم نعمت ہیں۔

(۴) گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھنے کے بعد سورۂ اخلاص (قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ) پڑھے۔ اس سورۃ کی دوسری آیت اَللّٰهُ الصَّمَدُ (اللہ بے نیاز ہے) کو پانچ سو بار دہرائے۔ پھر باقی سورۃ ختم کرے اور گیارہ مرتبہ درود شریف بھی پڑھے اس سے دل میں سکون اور قناعت کو فروغ ملتا ہے۔ اور تنگدستی کا بوجھ بھی ہلکا ہو کر قابلِ برداشت ہو جاتا ہے۔

(۵) گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھنے کے بعد سورۂ مزمل شروع کرے آیت نمبر ۹ جو لفظ "وَكِيلًا" پر ختم ہوتی ہے کو پڑھ کر رک جائے اور ۴۱ بار "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ" (ہم کو اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہی سب کام سپرد کر دینے کے لیے اچھا ہے) کا ورد کرے۔ اس کے بعد باقی سورہ مزمل پوری کرے۔ اور گیارہ بار درود شریف پڑھے۔ اگر ممکن ہو تو اس طریقے سے سورۂ مزمل ہر روز گیارہ بار پڑھنے کا معمول بنا لے۔ ورنہ کم ازکم ایک بار روزانہ پڑھنا رہے۔ اس عمل کو خلوصِ دل سے اپنانے سے زندگی اس قدر سہل اور سبک ہو جاتی ہے جس کا انسان کو خود بھی کبھی وہم و گمان نہیں ہوتا۔

(۶) امراضِ قلب میں دو قرآنی آیتیں خاص طور پہ موثر اور مجرب ثابت ہوئی ہیں۔ ان آیات کو علاج اور دوائیوں کا نعم البدل سمجھنا شدید غلطی ہو گی۔

لیکن یہ امید ضرور رکھنی چاہیے کہ ان آیات کی برکت سے علاج میں نمایاں سہولت پیدا ہونے کا امکان ہے۔ ان دونوں آیات کو ہر نماز کے بعد جتنی بار آسانی سے ممکن ہو پڑھتے رہنا چاہیے۔ وہ دو آیات یہ ہیں:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَىٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىٕنُّ الْقُلُوْبُؕ

(وہ لوگ جو ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے ان کے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہو جاتا ہے)۔

(پارہ ۱۳، سورۃ الرعد۔ آیت ۲۸)

وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَۙ

(اور ہم ایسی چیز یعنی قرآن نازل کرتے ہیں کہ وہ ایمان والوں کے حق میں شفا اور رحمت ہے)

(پارہ ۱۵، سورۃ بنی اسرائیل آیت ۸۲)

۷) پارہ ۴ کی سورۃ آل عمران میں آیت نمبر ۱۷۳ کا آخری حصّہ یہ ہے:

"حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ" (ہم کو حق تعالیٰ کافی ہے اور وہی سب کام سپرد کرنے کے لیے اچھا ہے)۔

اگر کوئی شدید مشکلات، حاجات یا خطرات درپیش ہوں۔ تو اس آیت کو ہر نماز کے بعد ۴۵۰ مرتبہ پڑھے۔ اس کے بعد یَا عَزِیْزُ، یَا کَافِیُ، یَا قَوِیُّ، یَا لَطِیْفُ بھی ۴۵۰ بار پڑھے۔ اول و آخر گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف، پھر اپنے مدعا کی دعا مانگ کر نتیجہ کے انتظار میں نہ رہے، بلکہ نتیجہ خلوص دل سے اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے اگر ہر نماز کے بعد ایسا کرنا ممکن نہ ہو، تو کم از کم ایک نماز کے بعد اس معمول

کو اپنانے۔ اس میں اور بھی بہت سے خواص ہیں جن کا مشاہدہ پڑھنے والے کو اپنی استعداد، خلوص اور انہماک کے مطابق ہوتا ہے۔

(۸) اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ میں ایک نام "یَا لَطِیْفُ" بھی ہے لطیف لطف سے بنا ہے جس کے معنیٰ ہیں بندوں پر مہربانی کرنا۔ لطیف اس ذات کو کہا جاتا ہے جو تمام امور کی باریکیوں، حکمتوں اور اسرار سے واقف ہو۔ اور آنکھوں سے اس کا ادراک ممکن نہ ہو اور جہت و جانب، اور مکانیت سے پاک و منزہ ہو۔ جس کے لیے نہ حد ہو نہ انتہا۔ اور جس کا عقل و فہم ادراک نہ کر سکے۔ ان تمام صفات کے باوجود وہ ہر شے سے قریب ہو اور بندے کی مصیبتوں اور غموں کو جلد دور فرما دینے پر پورا پورا قادر ہو۔

ہر نماز کے بعد یا کم از کم ایک نماز کے بعد ۱۲۹ بار اس اسم مبارک کا ورد کرنا بہت سی مشکلات، مصائب اور غموں کا علاج ہے۔

اگر ہمت کر کے زندگی بھر میں صرف ایک بار ایک ہی نشست میں لگاتار اس اسم مبارک کا ۱۶۶۴۱ بار ورد کر لیا جائے تو انسان کی زندگی میں پریشانیوں، مصیبتوں اور غموں کا رُخ موڑنے اور انہیں آسانی سے برداشت کرنے کی صلاحیت بدرجۂ اتم بڑھ جاتی ہے۔ اس ورد کے اول و آخر گیارہ یا اکیس یا اکتالیس مرتبہ درود شریف پڑھ لینا چاہیے۔

(۹) اٹھائیسویں پارے میں سورۃ الحشر کا تیسرا رکوع، آیت نمبر ۱۸ سے لے کر سورۃ کے آخر تک (یعنی آیت نمبر ۲۴ تک) اس طرح پڑھیں۔ اول و آخر گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف۔ پھر اعوذ باللہ اور بسم اللہ کے ساتھ تیسرا رکوع پڑھنا شروع کریں۔ آیت نمبر ۲۱ میں جب ان الفاظ پر پہنچیے، تو یہاں پہنچ کر رُک جائیے:۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ

(اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تُو اس کو دیکھتا کہ خدا کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا)

ان الفاظ کو پڑھنے کے بعد اپنی مشکل یا مصیبت کو تصور میں لائے اور انتہائی خلوص سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں التجا کرے کہ میری مشکل یا مصیبت بھی میرے لیے ایک پہاڑ ہے۔ اپنی قدرت سے قرآن حکیم کی اس تلاوت کے صدقے اس پہاڑ کو میرے لیے ریزہ ریزہ کر دے۔

یہ دعا کرنے کے بعد آگے پڑھنا جاری رکھئے۔ آخری آیت نمبر ۲۴ میں جب ان الفاظ پر پہنچے، تو انہیں پڑھ کر رک جائے۔

لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ط

(اس کے اچھے اچھے نام ہیں)

یہ الفاظ پڑھنے کے بعد رک کر اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء الحسنیٰ کا ایک بار ورد کرے اور اس کے بعد آیت کا بقیہ حصہ پورا کرے۔ کسی خاص مشکل یا حاجت کے بغیر بھی اگر اس رکوع کو عام اور سادہ طور پر ہر روز کم از کم ایک بار پڑھنے کا معمول بنا لیا جائے تو زندگی پر برکات اور بشاشت اور کشائش اور آسائش کی خاص برکات کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

ان چند دعاؤں کے علاوہ زندگی کے تقریباً نصف صدی پر محیط تجربات، مشاہدات اور قلبی واردات سے استفادہ کر کے ایک ایسی دُعا مرتب ہو گئی ہے، جو انسانی حاجات اور معاملات کے بہت سے پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔ میرے چند ثقہ دوستوں نے اسے اپنا کر اسے مؤثر اور مفید پایا ہے۔

انھوں نے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ضیاءالقلوب میں "نماز کن فیکون" کا طریقہ دیکھ کر اصرار کیا کہ اس دعا کا نام بھی "دُعائے کُن فیکون" رکھ دیا جائے۔ مجھے اپنی عاجزانہ کوشش کے لیے یہ عنوان منتخب کرنے میں تردد تھا۔ کہاں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور کہاں یہ بندۂ ضعیف وگنہگار۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ لیکن دوستوں کا اصرار اس طرح جاری رہا کہ ان کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہی پڑا۔ حضرت حاجی صاحبؒ کی پیروی میں محض حصول برکت کی خاطر یہ عنوان اس امید پہ رکھا گیا ہے کہ شاید اس بندۂ عاصی کی کوشش پر ان کی خوشنودی کا سایہ بھی پڑ جائے۔

اب "دعائے کُن فیکون" درج کر کے یہ باب ختم کیا جاتا ہے۔

دُعائے کُن فیکون

(۱) اَعُوْذُ بِاللّٰہ اور بِسْمِ اللّٰہ کے بعد گیارہ مرتبہ درود شریف۔

(۲) کلمۂ طیبہ: لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے محمدؐ اس کے رسول ہیں)

(۳) کلمۂ تمجید: سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

(پاک ہے اللہ اور تمام تعریف اللہ کیلئے ہے اور نہیں کوئی لائق عبادت کے مگر اللہ اور اللہ سب سے بڑا ہے اور نہیں گناہوں سے بچنے اور نیکی کرنے کی قوت مگر اللہ کی مدد سے جو بڑا عالیشان اور بزرگی والا ہے۔)

۴- سُبْحٰنَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحٰنَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

(میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں اور اس کی تعریف بیان کرتا ہوں جو بڑا عالیشان اور بزرگی والا ہے)

۵- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے محمد اللہ کے رسول ہیں)

۶- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے میرا رب عظمت والا ہے)

۷- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے میرا رب جو سب سے برتر ہے)۔

۸- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ذات ہے بادشاہ نہایت پاک)۔

۹- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ الْقُدُّوْسِ السُّبُّوْحِ

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے تمام نقائص وعیوب سے منزہ بڑی پاکی والا)۔

۱۰- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ السَّلَامِ الْمُؤْمِنِ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے، سلامت رکھنے والا ہر قسم کے خوف سے امن والا امن عطا کرنے والا)۔

۱۱- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ الْمُهَيْمِنِ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے تمام مخلوق کا ذمہ دار)۔

۱۲- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ الْعَزِيْزِ الْجَبَّارِ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے غلبہ والا اصلاح کرنے پر مکمل طور پر قدرت رکھنے والا)۔

۱۳- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ الْجَبَّارِ الْمُتَكَبِّرِ

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے اصلاح کرنے والا تمام عظمت کبریائی جلال اور بڑائی والا)۔

۱۴- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

(نہیں کو معبود سوائے اللہ کے پاک ہے رب ہے ہر ہر عالم کے)

۱۵- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے رحمٰن ہے رحیم ہے)

۱۶- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ الْمَالِكِ الْیَوْمِ الدِّیْنِ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے روزِ جزا کا مالک)

۱۷- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ الْخَلّٰقِ الْعَلِیْمِ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے بڑا پیدا کرنیوالا سب کچھ جاننے والا)

۱۸- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے آسمانوں کا زمین کا رب)

۱۹- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے عظمت والے عرش کا رب)

۲۰- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ رَبِّ الْعَرْشِ الْكَرِیْمِ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے بغیر سوال کے بے انتہا عطا کرنیوالا عرش والا)

۲۱- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ الْعَرْشِ الْمَجِیْدِ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے انتہائی عزت وشرف کے عرش والا)

۲۲- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے محمد اس کے رسول ہیں)۔

۲۳- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے غلبہ والا لامحدود حکمت والا)

۲۴- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ الْعَزِيْزِ الْكَرِيْمِ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے غلبہ والا بے سوال کے بے انتہا عطا کرنے والا)

۲۵- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ الْعَزِيْزِ الرَّحْمٰنِ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے رحمٰن اور رحیم)

۲۶- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے غلبہ والا رحیم)

۲۷- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ السَّمِيْعِ الْبَصِيْرِ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے ہر چیز سننے والا ہر شے دیکھنے والا)

۲۸- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ الْعَزِيْزِ الْقَدِيْرِ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے غلبہ والا ہر شے پر قدرت رکھنے والا)

۲۹- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے غلبہ والا سب کچھ جاننے والا)

۳۰- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ اللَّطِيْفِ الْخَبِيْرِ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے باریک بین ہر بات کی خبر رکھنے والا)

۳۱- اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ

(بلاشبہ میرا رب جو چاہتا ہے اس کی تدبیر لطیف کر دیتا ہے۔ بلاشبہ وہ بڑا علم والا اور حکمت والا ہے)

۳۲- اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ۔

(اللہ لطیف ہے۔ بلا حائل کسی چیز کے اپنے بندوں کو دیکھتا ہے اور وسعت

رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور قوی اور غالب ہے)۔

۳۲۔ یَا لَطِیْفًا بِخَلْقِہٖ یَا عَلِیْمًا بِخَلْقِہٖ یَا خَبِیْرًا بِخَلْقِہٖ اُلْطُفْ بِیْ یَا لَطِیْفُ یَا عَلِیْمُ یَا خَبِیْرُ ہ

(اے وہ ذات جو اپنی مخلوق پر مہربان ہے۔ اے وہ جو اپنی مخلوق کے حال کو جانتا ہے۔ اے وہ ذات جو ان کی ہر بات سے باخبر ہے۔ تو مجھ پر لطف و مہربانی فرما اے لطیف، اے علیم۔ اے خبیر:)

۳۳۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سُبْحَانَ الْحَقِّ الْمُبِیْنِ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے سچا ظاہر)۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سُبْحَانَ الْفَتَّاحِ الْعَلِیْمِ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے بڑا کھولنے والا (کاموں کا) علم والا)

۳۵۔ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ہ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ ہ وَاحْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ ہ یَفْقَھُوْا قَوْلِیْ ہ

(اے میرے رب کھول دے سینہ میرا اور آسان کر مجھ پر میرا کام۔ اور کھول دے گرہ میری زبان سے کہ میری بات کو لوگ سمجھ لیں۔)

۳۶۔ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ہ

(اے رب بڑھا مجھے علم میں)۔

۳۷۔ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْنَ ہ

(اے میرے رب نہ چھوڑ مجھے اکیلا اور تو سب سے اچھا وارث ہے)۔

۳۸۔ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِکَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ہ

(اے میرے رب معاف کر مجھ کو اور میرے بھائی کو اور ہم کو اپنی رحمت میں لے لے

تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے)۔

۳۹۔ اَللّٰهُمَّ اِلٰهَ جِبْرَئِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ وَاِلٰهَ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ عَافِنِيْ وَلَا تُسَلِّطَنَّ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ عَلَيَّ بِشَيْءٍ لَّا طَاقَةَ لِيْ بِهٖ ۝

(اے اللہ معبود جبرائیل اور میکائیل اور اسرافیل کے اور معبود ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق کے عافیت عطا فرما مجھے اور نہ مسلط کر کسی کو اپنی مخلوق میں سے میرے اوپر ایسی چیز کے ساتھ جس کی طاقت نہ ہو مجھے)۔

۴۰۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے۔ محمد اللہ کے رسول ہیں)۔

۴۱۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ الْوَكِيْلِ الْكَفِيْلِ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے کارساز ذمہ دار کاموں کا)۔

۴۲۔ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝

(وہ مشرق اور مغرب کا مالک ہے اس کے سوا کوئی قابلِ عبادت نہیں تو اسی کو اپنے کام سپرد کرنے کے لیے قرار دیئے رہو)۔

۴۳۔ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝

(پھر جب کسی کام کا عزم پختہ کر لو سو خدا تعالیٰ پر اعتماد رکھو۔ بے شک اللہ تعالیٰ ایسے اعتماد کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں)۔

۴۴۔ حَسْبِيَ اللّٰهُ ڒ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝

(میرے لیے اللہ تعالیٰ کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں۔

میں نے اسی پر بھروسہ کر لیا اور وہ بڑے بھاری عرش کا مالک ہے)

۴۵۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ

(ہم کو حق تعالیٰ کافی ہے اور وہی سب کام سپرد کرنے کے لیے اچھا ہے۔ کیا اچھا کارساز ہے اور کیا اچھا مددگار ہے۔)

۴۶۔ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ

(اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ خدا تعالیٰ سب بندوں کا نگران ہے)۔

۴۷۔ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ

(اور اس حی لایموت پر توکل رکھیے اور اس کی تسبیح اور تحمید میں لگے رہیے۔)

۴۸۔ اَللّٰهُ حَسْبِيْ رَبِّيْ مُرَبِّيْ ۔

(اللہ میرے لیے کافی ہے۔ وہ میرا رب ہے۔ میرا سرپرست مددگار ہے۔)

۴۹۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ الشَّافِيْ الْكَافِيْ ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے شفا دینے والا کفایت کرنے والا ہے۔)

۵۰۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ السَّلٰمِ الشَّافِيْ ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے سلامتی دینے والا شفا دینے والا ہے۔)

۵۱۔ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝
يَا شَافِيْ يَا سَلٰمُ

(مجھے لگ گئی ہے بیماری اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں۔
اے شفا دینے والے، اے سلامت رکھنے والے۔)

۵۲- اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۝ یَاقَوِیُّ الْعَزِیْزُ۔

(میں ہارا ہوا ہوں پس تو میرا بدلہ لے۔ اے قدرت والے، اے غلبہ والے۔)

۵۳- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ الْقَوِیِّ الْعَزِیْزِ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے قدرت والا ہے غلبہ والا ہے۔)

۵۴- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے زندہ ہے سب چیزوں کا سنبھالنے والا ہے۔)

۵۵- اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ

(اللہ تعالیٰ ایسے ہیں کہ ان کے سوا کوئی معبود بنانے کے قابل نہیں، اور وہ زندہ ہیں اور سب چیزوں کو سنبھالنے والے ہیں۔)

۵۶- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ الْعَزِیْزِ الْحَفِیْظِ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے غلبہ والا ہے محافظ ہے۔)

۵۷- فَاللّٰهُ خَیْرٌ حَافِظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۝

(پس اللہ ہے سب سے اچھا نگہبان وہ رحم کرنے والوں سے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔)

۵۸- بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ ۝

(اللہ کے نام کے ساتھ اور اللہ کے ساتھ کہ نہیں ضرر پہنچا سکتی اس کے نام کے

ساتھ نہ زمین میں اور نہ آسمان میں ۔ اے زندہ اے قائم ذات ۔)

۵۹- سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ رَبِّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ جَلَّلْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْعِزَّةِ وَالْجَبَرُوْتِ ○

(پاکی بیان کرتا ہوں بادشاہ کی جو تمام عیبوں سے پاک ہے فرشتوں اور روح کا رب ہے ۔ اے اللہ آپ نے ڈھانپ لیا ہے آسمانوں اور زمین کو عزت اور غلبے کے ساتھ ۔)

۶۰- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ الرَّءُوْفِ الرَّحِيْمِ ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے نہایت مہربان اور رحم فرمانے والا)

۶۱- لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○

(البتہ تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک رسول آیا جن پر مضرت کی بات گراں گذرتی ہے جو تمہاری منفعت کے خواہش مند رہتے ہیں اور ایمانداروں کے ساتھ بہت ہی مہربان اور رحم فرمانے والے ہیں ۔)

۶۲- درود شریف ۔

۶۳- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ الْحَمِيْدِ الْمَجِيْدِ ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے ہر تعریف کا مستحق اور انتہائی عزت وشرف کا مالک ۔)

۶۴- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے غلبہ والا ہے ہر تعریف کا مستحق ہے ۔)

۶۵- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ الْغَنِيِّ الْحَمِيْدِ ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے بے نیاز ہے ہر تعریف کا مستحق ہے۔)

۶۶۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سُبْحَانَ الْغَنِیِّ الْمُغْنِیْ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے بے نیاز ہے اور اپنے فضل وکرم جسے چاہے دوسروں سے بے نیاز کر دے)

۶۷۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سُبْحَانَ الْحَنَّانِ الْمَنَّانِ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے بے حد احسان کرنے والا)

۶۸۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سُبْحَانَ الْعَزِیْزِ الْوَدُوْدِ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے غلبہ والا مومنین سے محبت کرنیوالا)۔

۶۹۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے محمد اس کے رسول ہیں)

۷۰۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سُبْحَانَ الْعَزِیْزِ الْوَھَّابِ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے غالب بہت عطا کرنے والا۔)

۷۱۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سُبْحَانَ الْخَالِقِ الرَّزَّاقِ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے پیدا کرنے والا اور رزق دینے والا۔)

۷۲۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سُبْحَانَ الْعَزِیْزِ الْمُحْصِیْ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے غلبہ والا ہر شئے کو اپنے علم کے احاطہ میں لینے والا۔)

۷۳۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سُبْحَانَ الْبَرِّ الرَّحِیْمِ ۝

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے اپنے احسانات اور انعامات

فرمانے والا رحیم۔)

۷۴- لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سُبْحَانَ الصَّمَدِ الْاَحَدْ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے بے نیاز یکتا لا شریک۔)

۷۵- وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝

(اور ایسا معبود جو تم سب کے معبود بننے کا مستحق ہے، وہ تو ایک ہی ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہی رحمٰن اور رحیم ہے۔)

۷۶- لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ۝

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے محمد اس کے رسول ہیں)۔

۷۷- لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سُبْحَانَ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے عالی شان عظمت والا۔)

۷۸- لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سُبْحَانَ الْکَبِیْرِ الْاَکْبَرِ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے بڑا سب سے بزرگ)

۷۹- لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سُبْحَانَ التَّوَّابِ الرَّحِیْمِ ۝

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے توبہ کی توفیق عطا فرمانے والا رحیم۔)

۸۰- لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سُبْحَانَ السَّتَّارِ الْعُیُوْبِ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے عیبوں کا چھپانے والا۔)

۸۱- لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سُبْحَانَ السَّتَّارِ الْغَفَّارِ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے چھپانے والا (عیبوں کا) بخشنے والا (گناہوں کا)۔)

۸۲- اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَ اَتُوْبُ اِلَیْہِ ؀

(بخشش مانگتا ہوں میں اللہ سے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، مگر وہی حیّ و قیوم ہے اور میں اس کی طرف رجوع کرتا ہوں۔)

۸۳- رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ؀

(اے رب ہمارے ہم نے اپنی جانوں پہ زیادتی کی اور اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور ہم پہ رحم نہ کریگا ہم نامرادوں میں سے ہو جائیں گے۔)

۸۴- لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ ۖ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ؀

(آپ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے آپ پاک ہیں میں بے شک قصوروار ہوں)

۸۵- رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا

(اے ہمارے رب نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھول جائیں یا خطا کریں۔)

۸۶- رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً ۚ اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ ؀

(اے ہمارے رب ہدایت کر کے بعد ہمارے دل نہ پھیر اور دے ہمیں اپنے پاس سے ایک رحمت کر بے شک تو ہی ہے دینے والا۔)

۸۷- لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سُبْحَانَ الْعَزِیْزِ الْمُعِزِّ

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے غلبہ والا جسے چاہے عزت دینے والا ہے۔)

۸۸- لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سُبْحَانَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے تمام عزت و کمال کی مالک ذات ہے)

۸۹۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سُبْحَانَ ذِی الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۝
(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے بہت زیادہ فضل کرنے والا ہے)

۹۰۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سُبْحَانَ ذِی الْقُوَّۃِ الْمَتِیْنِ ۝
(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے زور آور کامل القوت۔)

۹۱۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سُبْحَانَ ذِی الْمُلْکِ وَ الْمَلَکُوْتِ۔
(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے زمین اور آسمان (روحانی) کا بادشاہ)

۹۲۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّۃِ وَ الْعَظْمَۃِ۔
(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے عزت والا اور عظمت والا۔)

۹۳۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سُبْحَانَ ذِی الْھَیْبَۃِ وَ الْقُدْرَۃِ۔
(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے دبدبہ اور قدرت والا۔)

۹۴۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سُبْحَانَ ذِی الْکِبْرِیَآءِ وَالْجَبَرُوْتِ۔
(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے بزرگی اور بڑائی والا۔)

۹۵۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سُبْحَانَ الْمَالِکِ الْمُلْکِ۔
(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے بادشاہی کا مالک)

۹۶۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سُبْحَانَ الْمَلِکِ الْمَقْصُوْدِ۔
(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے بادشاہ دنیا کا مقصد)

۹۷۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سُبْحَانَ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ۔
(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے بادشاہ تمام نقائص وعیوب سے منزہ و پاک۔)

۹۸۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سُبْحَانَ الْقُدُّوْسِ السُّبُّوْحِ۔
(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے تمام نقائص وعیوب سے منزہ بڑی پاکی والا)

۹۹- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ رَبِّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوْحِ -

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے فرشتوں اور روح کا رب -)

۱۰۰- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ الدَّائِمِ الْقَائِمِ -

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے ہمیشہ رہنے والا قائم)

۱۰۱- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ الْاَوَّلِ الْاٰخِرِ -

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے سب سے پہلا اور سب سے پچھلا)

۱۰۲- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ الظَّاهِرِ الْبَاطِنِ -

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے ظاہر میں اور باطن میں -)

۱۰۳- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ الْمُقَلِّبِ الْقُلُوْبِ -

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے دلوں کو پھیرنے والا ہے -)

۱۰۴- اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ

(اے دلوں کو پھیرنے والے اللہ پھیر دل ہمارے اپنی طاعت کی طرف)

۱۰۵- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ الْبَدِيْعِ الْعَجَائِبِ -

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے تمام اشیاء کو بے مثال بنانے والا عجائبات پیدا کرنے والا -)

۱۰۶- يَا بَدِيْعَ الْعَجَائِبِ بِالْخَيْرِ يَا بَدِيْعُ -

(اے عجائبات کے پیدا کرنے والے (میرے لیے) خیر کے عجائبات پیدا فرما - اے بے مثال اشیاء بنانے والے -)

۱۰۷- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۝

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے محمد اس کے رسول ہیں -)

۱۰۸- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ الْقَاضِي الْحَاجَاتِ -

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے حاجتوں کا پورا کرنے والا)

۱۰۹- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ الْمُسَبِّبِ الْاَسْبَابِ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے ہر طرح کے اسباب پیدا کرنیوالا)

۱۱۰- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ الْمُجِیْبِ الدَّعْوَاتِ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے دعاؤں کو قبول فرمانے والا۔)

۱۱۱- رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

(اے ہمارے رب دے ہمیں دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھلائی اور بچا ہمیں دوزخ کے عذاب سے۔)

۱۱۲- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَ الْغِیَاثِ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ۔

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے پاک ہے فریاد کرنے والوں کی فریاد سننے والا۔)

۱۱۳- یَا غِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ اَغِثْنِیْ اَغِثْنِیْ یَا اِلٰهِیْ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝

(اے فریاد کرنے والوں کی فریاد سننے والے پاک پروردگار آپ میری فریاد کو پہنچیں اور میری غرض کو پورا فرمائیں۔ اے اللہ بے شک آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔)

۱۱۴- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

(نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے محمد اس کے رسول ہیں۔)

۱۱۵- کلمۂ شہادت: اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ

وَرَسُوْلُہٗ ؀

(اقرار کرتا ہوں کہ نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے اور جو واحد ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور اقرار کرتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔)

۱۱۶- کلمۂ تمجید : سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

(پاک ہے اللہ اور تمام تعریف اللہ کے لیے ہے اور نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے اور اللہ بہت بڑا ہے اور نہیں گناہوں سے بچنے اور نہ نیکی کرنے کی قوت۔ مگر اللہ کی مدد سے جو بڑا عالیشان اور بزرگی والا ہے)

۱۱۷- درود شریف :

ہدایات :

ا- اگر یہ دعا ہر روز ہر نماز کے بعد پوری پڑھی جائے تو سب کلمات، آیات اور دیگر دعائیہ سطور فقط ایک ایک بار پڑھنا کافی ہے۔

ب- اگر یہ دعا چوبیس گھنٹے کے دوران فقط ایک بار کسی نماز کے بعد پڑھی جائے تو جن مقامات پر دائرے کی صورت میں یہ نشان ہ لگا ہوا ہے۔ انہیں گیارہ گیارہ مرتبہ اور باقی سب کو ایک ایک مرتبہ پڑھا جائے۔

ج- اگر یہ دعا ہفتہ بھر میں فقط ایک بار کسی نماز کے بعد پڑھنے کی توفیق ہو تو دائرے (ہ) والے مقامات کو حسبِ فرصت ۴۱

یا ۱۰۱ بار پڑھا جائے۔ باقی سب ایک ایک بار۔

د۔ کسی خاص پریشانی، مشکل یا حاجت کے وقت دائرے (۵) میں دیئے ہوئے مقامات کو موقع و محل کے اعتبار سے منتخب کر کے انہیں بغیر شمار کے اتنی بار پڑھا جائے کہ دنیا و مافیہا سے غافل ہو کر دل پر تسکین کا نزول محسوس ہو۔ باقی سب ایک ایک بار۔

مثلاً

بیماری کی صورت میں : ۵۱

اولاد کے لیے : ۳۷

رزق کے لیے : ۳۳ ۵۵ ۶۶ ۷۰،۶۷ ۷۱

توبہ کے لیے : ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶
۱۰۴

حاجت روائی کیلئے : ۳۱ ۳۲ ۳۳ ۳۵ ۸۹

توکل کے لیے : ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶
۴۷ ۴۸

کسی ظلم یا زبردستی سے نجات حاصل کرنے کے لیے : ۳۹
۵۲،

امن اور حفاظت کے لیے : ۱۰ ۱۱ ۴۶ ۵۱ ۵۸

عزت و حرمت کے لیے : ۵۹ ۸۷ ۸۸

ہر طرح کے جائز مقصد کے لیے : ۱۰۶

ج۔ اگر نتیجہ اپنی خواہش کے مطابق نکلے، تو اسے اپنی دعاؤں اور ریاضت کا ثمرہ نہ سمجھے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل کی نعمت سمجھ کر سجدۂ شکر

بجا لائے۔ بصورتِ دیگر اللہ کی رضا کی حکمت پر خوش دلی سے صبر و قناعت سے کام لے۔

۱۳۔ اگر اس دعا کو حتی الوسع وظیفۂ حیات بنا کر ثابت قدمی سے اس پر استقامت اختیار کی جائے، تو یہ بھی کرامت سے کم نہیں۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيْبُ ۝

(اور مجھ سے جو کچھ توفیق ہو جاتی ہے صرف اللہ کی مدد سے ہے۔ اسی پر میں بھروسہ رکھتا ہوں۔ اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔)